دُرِ مع الدھکے کیف دار

جس رُخ زمانہ پھرے اُسی رُخ پھر جاؤ

دیوانِ حالی

مصنفہ

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی مرحوم

جسمین قطعات۔ غزلیات قصیدے مرثیے ترکیب بند

رباعیاں۔ تاریخین۔ اور متفرق اشعار شامل ہین

حسب فرمائش مولوی ظفر الملک علوی

باہتمام احقر العباد محمد حسن

انوار المطابع لکھنو مین طبع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقت حال

الناظر بک ایجنسی کی طرف سے دو سال سے زائد عرصہ گذرا جب مشفقی مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو سے اجازت لیکر دیوان حالی کا دوسرا ایڈیشن شایع کیا گیا تھا۔ اس وقت عجلت کی وجہ سے جہان کتابت وطباعت مین بعض نقائص رہ گئے تھے وہین کتاب بھی زیادہ تعداد مین نہین چھپوائی جا سکی۔ خیال تھا کہ فوری ضرورت کے رفع ہوجانے کے بعد انجمن کی طرف سے بہتر سامان و انتظام کے ساتھ جو جدید ایڈیشن نکلے گا اُس سے قدردان شائقین کی تشفی ہوجائے گی لیکن انجمن کے ایڈیشن کے لیے ابھی مزید انتظار کی حاجت ہے اور طبع ثانی کے نسخے قریب قریب ختم ہوچکے۔ اِس لیے یہ تیسرا ایڈیشن جدید اجازت نامہ کی بناپر شایع کیا جاتا ہے۔

اِس ایڈیشن کی طباعت کا کام میری اسیری کے زمانہ مین ہوا۔ اس لیے افسوس ہے کہ کاغذ وغیرہ کا بہتر انتظام اب بھی نہو سکا۔ البتہ کتابت کے وہ نقائص حتی الامکان رفع کردیے گئے جو سابقہ ایڈیشن مین محض طبع اوّل کے نسخہ کی مجبورانہ تقلید کے باعث رہ گئے تھے۔

اب کاغذ کا نرخ ارزان ہورہا ہے اس لیے امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ ایڈیشن کے وقت انشاء اللہ بہتر ساز و سامان نظر آئے گا۔ وما توفیقی الا باللہ

خاکسار

ظفر الملک علوی

لکھنؤ - ۱۵ - اگست ۱۹۲۲ء

گذارش واقعی

مولانا حالی مرحوم کو جدید دورِ شاعری میں جو منزلت حاصل ہو وہ محتاج بیان نہیں لیکن کس قدر افسوسناک اور قابل غیرت وندامت یہ امر ہو کہ مولانا حالی کا دیوان، جو سنہ ۱۸۹۳ء میں چھپا تھا، اس کا دوسرا ایڈیشن آج تک ملک کے سامنے پیش نہیں کیا گیا، حالانکہ اُن کی زندگی ہی میں دیوان کے تقریباً سب نسخے فروخت ہوچکے تھے اور حسن قبول کا سہرا اُن کے سر بندھ چکا تھا حسن قبول کا اندازہ کسی قدر اس دفعہ سے ہوسکتا ہو کہ علاوہ مسدس حالی کے جو دیوان حالی کا کوئی جزو نہیں؛ مجموعۂ نظم حالی، رباعیات حالی قطعات حالی اور متفرق نظمیں علحدہ علحدہ شایع ہوکر فروخت ہورہی ہیں اور اُن میں سے اکثر حصے کئی کئی بار اور مختلف مطابع میں طبع ہوئے ہیں۔

ورثاء حالی کو باوجودیکہ متعدد بار توجہ دلائی گئی لیکن افسوس ہے کہ اُنھوں نے قطعاً التفات نہ کی غنیمت ہو کہ مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو کی تحریک پر بالآخر مولانا حالی کے خلف وجانشین خواجہ سجاد حسین صاحب نے انجمن ترقی اُردو کی طرف سے دیوان حالی کی اشاعت منظور کی۔ اور انجمن کی طرف سے انشاء اللہ دیوان حالی خاص اہتمام کے ساتھ شایع کیا جائیگا۔

الناظر بک ایجنسی کے پاس اطراف ملک سے صاحبان ذوق کی فرمائشیں دیوان حالی کے طلب مین آتی رہتی تھین اور جب سے انجمن ترقی اُردو نے اپنے ارادہ کا اعلان کیا ہی سب صاحبون کو متوقع کردیا جاتا تھا کہ انجمن کیطرف سے دیوان حالی شایع ہونے والا ہی۔ اسی اثنا مین راقم الحروف کو یہ اطلاع ملی کہ دیوان حالی جامعۂ عثمانیہ کے درجہ ایف اے کے نصاب مین داخل کرلیا گیا ہی چونکہ انجمن کی طرف سے دیوان کی اشاعت مین تعویق تھی اس وجہ سے دیوان حالی کا یہ ایڈیشن شایع کیا جاتا ہی تاکہ طلباء جامعۂ عثمانیہ کی ضرورت رفع ہوجائے۔ مین مولوی عبدالحق صاحب آنریری سکریٹری انجمن ترقی اُردو کا شکرگذار ہون کہ اُنھون نے اس ضرورت پر نظر کرکے مجھے دیوان حالی کے شایع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

خاکسار

ظفر الملک علوی

ایڈیٹر الناظر

مالک الناظر بک ایجنسی لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے   یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

ایک زمانہ تھا کہ شاعری اور عشق یا تعشق (عاشق ہونا ۱۲ عاشق بننا ۱۲) کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ اور ایسا سمجھنا کچھ بیوجہ نہ تھا اول تو خود شعر کا حدوث ہی دنیا میں اس جوش اور ولولے سے ہوا ہے جو عشق اور محبت کی بدولت انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور شعر کی ذات میں جو ایک آتشگیر مادہ ہے وہ بھی اپنے مشتعل ہونے میں کسی آگ کی اشتعالک کا محتاج ہے۔ پھر قوم[1] کا کلام بھی جہانتک دیکھا گیا اسی خیال کی تائید کرتا تھا۔ باایں ہمہ حداثت سن یہ کب اجازت دیتی تھی کہ شاہد رعنائے سخن کا نظارہ ایک پیر زال کی صورت میں کیا جائے اور شراب ارغوانی کی جگہہ سرکہ بے نمک سے ضیافت طبع کیجائے۔ غرضکہ ایک مدت تک یہ حال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا بلکہ جس شعر میں یہ چاشنی نہ ہوتی تھی اسپر شعر کا اطلاق کرنے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا۔ خود بھی جب کبھی یہ سودا اچھلا آنکھیں بند کیے ہوئے اسی شارع عام پر چل پڑے جسپر گھیروں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ قافلہ کا ساتھ۔ راہ کی

---

[1] قوم سے یہاں اسکے متعارف معنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہاں قوم سے مراد شعرا ۱۲ ہیں۔

ہموار ہی۔ اور رہگذر کی فضا چھوڑ کر دوسرا رستہ اختیار کرنیکا کبھی خیال بھی نہ آیا۔ مگر جب آفتاب عمر نے پلٹا کھایا اور دن ڈھلنا شروع ہوا۔ وہ تمام سیمیائی جلوے جو خواب غفلت میں حقائق سے زیادہ دلفریب نظر آتے تھے رفتہ رفتہ کافور ہونے لگے۔ غزل و تشبیب کی امنگ انفعال کے ساتھ بدل گئی اور جس شاعری پر ناز تھا اُس سے شرم آنے لگی۔ ہر چند سمجھایا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب آئے ہیں۔ مگر یہی جواب دیا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب گئے۔

یقولون[1] هل قبل الثلثین ملعب فقلت وهل بعد الثلثین ملعب

جو لوگ عاشقانہ گوئی کے چٹخارے سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ خون جہاں منھ کو لگا پھر ذرا مشکل سے چھٹتا ہے۔ مگر زمانہ کی ضرورتوں نے یہ سبق پڑھایا کہ دلفریب مگر نکمی باتوں پر آفرین سننے سے دلشکن مگر کام کی باتوں پر نفرین سننی بہتر ہے۔ اور حاکم وقت نے یہ حکم دیا کہ پروانہ و بلبل کی قسمت کو تو بہت رو چکے کبھی اپنے حال پر بھی دو آنسو بہانے ضرور ہیں۔

یکرہ بحال خویش ہم آخر تواں گریست تا چند بر فلان و بہ بہمان گریستن

کچھ نظمیں قوم کی حالت پر لکھی گئیں بعضوں نے پسند کیں اور بعضوں نے ناپسند۔ مگر چوٹ سب کے دل پر لگی۔ کہانی بمزہ تھی مگر آپ بیتی۔ اور باتیں وہی تھیں مگر پتے کی۔ جو نظمیں کسی قدر طولانی تھیں وہ تقریباً تمام چھپ چکی اور شایع ہو چکی ہیں۔ اب زیادہ تر کچھ بچے کھچے متفرق اور پراگندہ خیالات باقی ہیں جنمیں سے کسی قدر قطعہ و رباعی کے لباس میں اور کچھ غزل کے روپ میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ انکے سوا چند ترکیب بند۔ ایک آدھ مسمط۔ کچھ قصیدے اور کچھ تاریخیں ہیں جنمیں سے اکثر خاص خاص طور پر وقتاً بعد وقتٍ شایع ہو چکی ہیں لیکن مصنف کی طرف سے عام طور پر پبلک کی نذر نہیں ہوئیں پہلا کلام جو عالم جہل و نادانی یا خلاصہ زندگانی کی نشانی ہے وہ بھی کسی قدر تلف ہو جانیکے بعد جسقدر بچا ہے اب تک محفوظ ہے۔ انسان کی طبیعت کا مقتضا ہے کہ جو کام اسکی تھوڑی یا بہت کوشش سے سرانجام ہوتا ہے عام اس سے کہ اچھا ہو یا بُرا اور پسند کے لائق ہو یا نہ ہو وہ اسکو بڑے فخر کے

[1] یعنی لوگ کہتے ہیں کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس سے پہلے ہے؟ سو میں نے اُن سے کہا کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس کے بعد ہے؟ ۱۲

ساتھ پبلک مین پیش کرنے کی جرأت کرتا ہی۔ اور خاص و عام سے اپنی کوشش کی داد چاہتا ہی
جس فخر کے ساتھ کہ ہو اعرابی[1] جس نے کبھی آب شیرین کا مزہ نہ چکھا تھا ایک کھاری پانی کے
چشمہ سے مشک بھر کر ہارون رشید کے دربار مین بطور سوغات کے لے گیا تھا۔ وہ اُس فخر سے کچھ
کم نہ تھا جو کلمبس امریکا دریافت کرکے ازبلا کے دربار مین اپنے ساتھ لایا تھا۔ پس یہ تمام مجموعہ
جسمین کچھ نئے اور کچھ پرانے خیالات شامل ہین محض ایک امید موہوم پر کہ دیکھیے مردود ہو یا مقبول
ملک کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہی۔ اور پہلے اس سے کہ کوئی ہم پر ہنسے ہم اپنے دعوون پر آپ ہنستے ہین

شاید ناظرین کو پچھلے زمانہ کے خیالات مین پہلے زمانہ کی نسبت حقائق و واقعات کا کچھ
زیادہ جلوہ نظر آئے۔ اور جیسی کہ امید کیجاتی ہی ان خیالات کو سچی شاعری کا ایک نمونہ تصور کیا جائے
مگر یہ بات کہ جیسے یہ خیالات کانون کو سچے معلوم ہوتے ہین ایسے سچے دل سے بھی نکلے ہین یا
نہین خود ہمکو بھی معلوم نہین۔ تا بدیگران چہ رسد۔ جیسا کام محض سچے جوش اور ولولہ سے ہوتا ہے
ویسا ہی بلکہ بعض اوقات اس سے بہتر محض شہرت اور ناموری کی خواہش تحسین و آفرین کے لالچ
جلب منفعت کی توقع۔ یا کم سے کم اپنا دل خوش کرنے کے خیال سے بھی ہو سکتا ہی۔ اور خود کرنیوالے
کو اپنے کام کا منشا معلوم نہین ہوتا لیکن اگرچہ ہم اسوقت نہونگے۔ مگر زمانہ سچ اور جھوٹ کو اور دودھ اور
پانی کو الگ کیے بغیر نہ رہے گا۔ سچ پھولے گا اور پھلے گا۔ اور جھوٹ برسات کے سبزہ کی طرح
جلد نیست و نابود ہو جائے گا۔

[1] یہ ایک مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہی یعنی ہارون رشید کے زمانہ مین ایک بدوی جسنے کبھی دجلہ کے شیرین پانی کا مزا
نہ چکھا تھا۔ اس کو صحرا مین ایک چشمہ ملا جسکا پانی اگرچہ دجلہ کے پانی سے کچھ نسبت نہ رکھتا تھا۔ لیکن جیسا شور پانی کہ وہ
بدوی ہمیشہ پیا کرتا تھا۔ اُس سے کسی قدر میٹھا تھا وہ خوشی خوشی اس کی ایک مشک بھر کر بغداد مین پہونچا اور
خلیفہ کے دربار مین اسکو بطور ایک علق نفیس کے پیش کیا۔ خلیفہ نے اس کو چکھا تو بالکل کھاری پانی تھا۔ مگر اسکی بیمزگی
بدوی پر ظاہر نہین ہونے دی۔ اور اس کو انعام دے کر رخصت کیا۔ اور حکم دیا کہ یہ شخص دجلہ کا پانی نہ پینے پائے
ورنہ اپنے دل مین شرمندہ ہوگا۔ ۱۲

وکم قد رأینا من فروع کثیرۃ[1] تموت۔ اذا لم تحیہن اصول

ناظرین کو معلوم ہی کہ جب کسی ملک یا قوم یا شخص کے خیالات بدلتے ہین تو خیالات کے ساتھ طرز بیان نہین بدلتی۔ گاڑی کی رفتار مین فرق آجاتا ہی مگر پہیا اور دُھرا بدستور باقی رہتا ہی۔ اسلام نے جاہلیت کے خیالات بہت کچھ بدل دیے تھے۔ مگر اسلوب بیان مین مطلق فرق نہین آیا۔ جو تشبیہین اور استعارے پہلے مدح۔ ہجا۔ غزل اور تشبیب مین برتے جاتے تھے وہی اب توحید۔ مناجات۔ اخلاق اور موعظت مین استعمال ہونے لگے۔ خاصکر شعر مین اس بات کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہی۔ یہ ممکن ہی کہ متاخرین قدیم شعرا کے بعض خیالات کی پیروی سے دست بردار ہو جائین مگر اُن کے طریقۂ بیان سے دست بردار نہین ہو سکتے جسطرح کسی غیر ملک مین نئے وارد ہونے والے سیاح کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک مین روشناس ہونے اور اہل ملک کے دلمین جگہ کرنے کے لیے اسی ملک کی زبان مین گفتگو کرنی سیکھے۔ اور اپنی وضع۔ صورت اور لباس کی اجنبیت کو ان کے اتحاد سے بالکل زائل کرے۔ اسی طرح نئے خیالات کے شاعر کو بھی سخت ضرورت ہے کہ طرز بیان مین قدما کی طرز بیان سے بہت دور نہ جا پڑے۔ اور جہانتک ممکن ہو اپنے خیالات کو انھین پیرایون مین ادا کرے جن سے لوگون کے کان مانوس ہون۔ اور قدما کا دل سے شکر گذار ہو جو اسکے لیے ایسے منجھے ہوے الفاظ و محاورات و تشبیہات و استعارات وغیرہ کا ذخیرہ چھوڑ گئے۔

کچھ تعجب نہین کہ اس مجموعہ کو اور نیز اُن نظمون کو جو پہلے شایع ہو چکی ہین دیکھکر ناظرین کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ان مین نئی بات کون سی ہی؟ نہ خیالات ہی ایسے اچھوتے ہین جو کسی کے ذہن مین نہ گذرے ہون۔ اور نہ طرز بیان ہی مین کوئی ایسی جدت ہی

[1] ترجمہ۔ ہمنے وہ شاخین اکثر سوکھتی دیکھی ہین جنکی جڑین اس قابل نہ تھین کہ اپنی شاخون کو سرسبز رکھ سکین ۱۲

جس سے کبھی کان آشنا نہوے ہون اور یہ سمجھکر بے اختیار پکار اُٹھین کہ ھٰذَا الَّذِی رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ[1] پس ان کی خدمت مین عرض کیا جاتا ہو کہ بیشک طرز ادا مین جیسا کہ ابھی بیان ہوچکا وہ بہت کم فرق پائینگے۔ مگر خیالات مین ذرا بھی غور فرمائینگے تو اُن کو ایک دوسرا عالم نظر آئیگا۔ وہ دیکھینگے کہ گو محل نہین بدلے مگر محل نشین بدل گئے ہین۔ گو پیالے وہی ہین مگر شراب اور ہے۔

نئے خیالات سے ایسے خیالات ہرگز مراد نہین ہین جو کسی کے ذہن مین نہ گذرے ہون یا کسی کے ذہن کی اُن تک رسائی نہو سکے۔ بلکہ ایسے خیالات مراد ہین جو شاعر و ناشاعر کے دلمین ہمیشہ گذرتے ہین اور ہر وقت اُن کے پیش نظر ہین۔ مگر اس وجہ سے کہ وہ ایسے پامال اور مبتذل ہین ان کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور انکی طرف بہت کم التفات کیا گیا۔ اور پایہ شاعری کو اُن سے ورا الورا سمجھا گیا ہو۔ لیکن فی الحقیقت شاعری کا بھید انھین مبتذل خیالات مین چھپا ہوا تھا جو بسبب غایت ظہور کے لوگون کی نظر سے مخفی تھا۔

دیکھ لے اے بلبل ذرا گلبن کو آنکھین کھول کر   پھول مین گر آن ہو کانٹے مین بھی اک شان ہے

انسان مین جیسا کہ ظاہر ہو ہرگز یہ طاقت نہین ہو کہ وہ کسی چیز کو عدم محض سے وجود مین لاسکے۔ اسکی بڑی دوڑ یہی ہو کہ وہ موجودات مین سے چند چیزون کو ترکیب دیکر اس مین ایک نئی صورت پیدا کردے۔ پس جسطرح معمار عمارت تیار کرنے مین اینٹ مٹی اور چونہ کا۔ یا بڑھئی ایک تخت کے بنانے مین لکڑی اور لوہے کا محتاج ہو۔ اسی طرح ضرور ہو کہ شاعر بھی کسی شعر کے ترتیب دینے مین کسی ایسے مصالح کا محتاج ہو جو اینٹ اور مٹی یا لکڑی اور لوہے کیطرح نفس الامر مین موجود ہو۔ وہ مصالح کیا ہو؟ یہی دنیا کے حالات جو روزمرہ ہماری آنکھون کے سامنے گذرتے ہین خواہ وہ انسان سے علاقہ رکھتے ہون۔ یا زمین۔ آسمان۔ چاند سورج۔ پہاڑ اور دریا جیسی شاندار

[1] قرآن مجید مین مذکور ہو کہ جب اہل جنت کو کوئی جنت کا پھل کھانیکو دیا جائیگا تو وہ کہینگے ھٰذا الذی رزقنا من قبل (یعنی یہ تو وہی ہو جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا) کیونکہ جنت کے میوے صورت مین یکسان معلوم ہونگے مگر ہر ایک کا مزا اور لذت جدا ہوگی۔ ۱۲

چیزون سے۔ یا مچھر، مکڑی اور ٹُھینگے جیسی بے حقیقت چیزون سے لیں حسن شاعر نے ان حالات
کو معمولی باتین سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور شعر کی بنیاد محض فرضی اور ناممکن باتون پر رکھنی چاہی۔ اُسکی
مثال اُس معمار کی سی ہوگی جو عمارت بنانے کے لیے اینٹ اور مٹی کی کچھ ضرورت نہین سمجھتا
بلکہ ایسے مصالح کی ضرورت سمجھتا ہی جس سے عمارت تیار نہین ہوسکتی۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کاین رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

الغرض جب سے شاعری کی نے کھلی معمولی شکار چھوڑ کر عنقا کی گھات مین بیٹھنا اور زمین پر
ساگ پات کے ہوتے آسمان سے نزول مائدہ کا انتظار کرنا چھوڑ دیا۔ زمانہ کے حالات دیکھکر جو
کیفیتین نفس پر طاری ہوتی رہین اور جن واقعات کے سننے سے دل پر چوٹ لگتی رہی ان کو وقتاً
فوقتاً اپنے سلیقہ کے موافق شعر کا لباس پہناتے رہے۔ بعض خیالات بحسب ضرورت وقت اقوال
سلف یا حکایات سلف سے اخذ کیے گئے۔ کہین ان کو اپنے حال پر رہنے دیا اور کہین اپنی طرف سے
کچھ اضافہ کرکے اسکو ایک نئی صورت مین جلوہ گر کیا گیا۔ بعض قطعات و رباعیات مین اخلاقی
مضامین کنایہ مین ادا کیے گئے جو شاید کہین کہین مطائبہ کی حد کو پہونچ گئے ہون گر انوری
و سعدی و شفائی کے مطائبات کے آگے یقیناً بے نمک معلوم ہونگے۔ ریا و مکر و سالوس
و عُجب و خودپسندی اور اسی قسم کے اخلاق واعظ و زاہد و صوفی و شیخ و ملا پر ڈھالے گئے
نہ اس لیے کہ نعوذ باللہ اس فرقۂ علیہ کی مذمت مقصود تھی۔ بلکہ اس لیے کہ ان اخلاق کے بیان
کرنیکا اس سے واضح تر کوئی عنوان نہ تھا۔ سیاہی کا دھبا جیسا اُجلے کپڑے پر صاف نمایان ہوتا
ہے ایسا میلے کپڑے پر نہین ہوتا۔ ظلم اور بے انصافی کے مرتکب اپنی اپنی طاقت کے موافق فقیر
اور بادشاہ دونون ہوتے ہین مگر جب ظلم کو زیادہ ہولناک صورت مین دکھانا منظور ہوتا ہی تو وہ
ہمیشہ سلطنت کے لباس مین ظاہر کیا جاتا ہی۔ اسی طرح ریا و عجب و خودپسندی اگرچہ ہر فرد بشر
مین کم و بیش پائی جاتی ہے۔ مگر جب اُس کو علم و زہد و مشیخت کی طرف منسوب کیا جاتا ہی تو وہ زیادہ
تعجب انگیز اور ڈراؤنی صورت مین جلوہ گر ہوتی ہے اور یہی شاعری کی علت غائی ہی۔

شاعر جب اخلاقی مضامین بیان کرتا ہو تو اس کو بضرورت اکثر نصیحت و پند کا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا ہو۔ اس لیے ہم کو بھی کہین کہین ناصح بننا پڑا ہو۔ مگر اصلی ناصح کی نصیحت اور شاعر کے ناصحانہ بیان مین بہت بڑا فرق ہو۔ اصلی ناصح خود برائیون سے پاک ہوکر اورون کو ان سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہو۔ مگر شاعر چونکہ برائیون کی ہو بہو تصویر کھینچکر دکھاتا ہو اور گھر کے بھیدی کیطرح چھپے رستمون کے بتّرے کھولتا ہو۔ اس لیے سمجھنا چاہیے کہ وہ زیادہ تر اپنے ہی عیب اوروں پر ظاہر کرتا ہو۔ ہر بدی اور گناہ کا نمونہ کم یا زیادہ۔ پوشیدہ یا علانیہ انسان کے نفس مین موجود ہو۔ پس اگر بدی یا گناہ کے متعلق کوئی پتے کی بات شاعر کی قلم سے مترشح ہو تو جاننا چاہیے کہ وہ اپنے ہی نفس کی چوریان ظاہر کر رہا ہو۔

حالی سے بدگمانی بیجا نہین ہماری
ہین عاشقی کی گھاتین معلوم ہکو ساری

شاید اس موقع پر شاعر کی طرف سے یہ عذر ہوسکے کہ اسمین فطرت انسانی کے دقائق و غوامض سمجھنے کا ایک خداداد ملکہ ہوتا ہو جس کی مدد سے بعض اوقات ایک رند مشرب اور خراباتی شاعر جس پر پرہیزگاری کی کبھی چھینٹ نہ پڑی ہو وہ پرہیزگارون کی سوسائٹی کا ایسا صحیح نقشہ کھینچ دیتا ہو کہ خود اس سوسائٹی کے ممبر بھی اپنی سوسائٹی کا ویسا نقشہ نہین کھینچ سکتے اسی طرح ایک دوسرا شاعر جس نے پرہیزگارون اور پارساؤن کے حلقہ سے کبھی قدم باہر نہین رکھا وہ رندو دواوباش کی صحبتون کا ایسا چربا اُتار دیتا ہو کہ گویا انھین مین سے ایک نے اپنی حالت کی تصویر کھینچی ہو۔ **ابو نواس** نے بارہا خلیفہ سے ایک مصرع جسمین بات کے تخلیہ اور عیش و عشرت کی صحبت کی طرف ایک اجمالی اشارہ ہوتا تھا۔ اس مصرع کی تضمین مین ایسے واقعات بیان کردیے ہین کہ خلیفہ متعجب ہوکر بے ساختہ یہ کہا قاتلک قاتلک اللہ کانک کنت ثالثنا[1] شکسپیر جسکے ہمراہی ہرن کا شکار کھیلنے والے اور تماشا کرنیوالے تھے اور جس نے کبھی آنکھ کھولکر عالی خاندان اور شریف و پاکیزہ عورتون کی سوسائٹی نہ دیکھی تھی

[1] ترجمہ۔ خدا تجکو غارت کرے گویا کہ تیسرا ہم مین تو تھا یعنی تونے ایسے صحیح واقعات بیان کیے ہین کہ گویا تو بھی ہماری صحبت مین شریک تھا

اُس نے ہملیٹ۔ جولیٹ۔ کیتھرائین۔ ڈزڈیمونا اور بعض اور لیڈیون کے ایسے اصلی کیرکٹر دکھائے ہین جن کا اس سوسائٹی پر جسمین اسکی عمر گذری تھی کبھی پرچھاوان تک نہ پڑا تھا۔ ایران مین فردوسی اور ہندوستان مین انیس۔ رزم کے بیان مین صدہا باتین ایسی ٹھکانے کی لکھ جاتے ہین۔ جن سے معلوم ہوجاتا ہی کہ یہ واقعات گویا خود ان پر گذرے تھے۔

اس عذر سے اگرچہ کسی قدر شاعر کی برارت ہوسکتی ہی۔ مگر پھر بھی اسکو واعظ و ناصح کا درجہ نہین دیا جاسکتا۔ ناصح کی غرض براہ راست ارشاد و ہدایت ہوتی ہی۔ بخلاف شاعر کے کہ اس کا اصلی مقصود فطرت انسانی کی کریدنا اور واقعات دہر سے متاثر ہوکر دل کی بھڑاس نکالنی ہی اور بس۔ وہ کسی کے سمجھانے کے لیے نہین چلاتا بلکہ خود چوٹ کھا کر چیخ اُٹھتا ہی۔

ناصح مشفق ہین یارون کے نہ مصلح اور مشیر درد مندان کے نہ اُن کے درد کے درمان ہین ہم
پھوٹ پڑتے ہین تماشا اس چمن کا دیکھکر نالۂ بے اختیار بلبل نالان ہین ہم

پس اگر شاعر کا کوئی قول اسکے فعل کے برخلاف پایا جاے تو اُس کو واعظ یا ناصح قرار دیکر یہ الزام دینا نہین چاہیئے کہ " أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ "۔ بلکہ اُسکی طرف سے یہ عذر کرنا چاہیئے کہ " إِنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ "

انسان کے کلام مین کہین کہین اختلاف یا تناقض پایا جانا ایک ضروری بات ہی بلکہ اسکے کلام کی پہچان ہی یہ بتائی گئی ہی کما قال اللہ تعالیٰ " وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا "۔ مگر جسطرح ایک فلسفی یا مورخ کی تصنیف مین اختلاف پایا جانا اس تصنیف کو عیب لگاتا ہی اسطرح شاعر کے کلام کو عیب نہین لگاتا بلکہ اس کا بیساختہ پن ظاہر کرتا ہی جسکو شاعری کا زیور سمجھنا چاہیے۔ فلسفی یا مورخ ہر ایک چیز پر اسکے تمام پہلو دیکھکر ایک مستقل رائے قائم کرتا ہی۔ اور اسی لیے ضرور ہی کہ اسکا بیان جامع و مانع ہو۔ لیکن شاعر کا یہ کام نہین ہی بلکہ اُس کا کام یہ ہی کہ ہر ایک شے کا جو پہلو اُس کے سامنے آئے اور اُس سے کوئی خاص کیفیت پیدا ہوکر اسکے دل کو تحریک کرے اُسکو اسی طرح بیان کیجے کہ

پھر جب دوسرا پہلو دیکھ کر دوسری کیفیت پیدا ہو جو پہلی کیفیت کے خلاف ہو اُسکو اُس دوسری کیفیت کے موافق بیان کرے - وہ کوئی فلسفہ یا تاریخ کی کتاب نہین لکھتا تاکہ اسکو حقائق وواقعات کے ہر ایک پہلو نظر رکھنی پڑے - بلکہ جس طرح ایک فوٹوگرافر ایک ہی عمارت کی کبھی رو کار کا کبھی پچھیت کا کبھی اس ضلع کا اور کبھی اُس ضلع کا جُدا جُدا نقشہ اُتارتا ہے اسی طرح شاعر حقائق وواقعات کے ہر ایک پہلو کو جُدا جُدا رنگ مین بیان کرتا ہی پس ممکن ہی کہ شاعر ایک ہی چیز کی کبھی تعریف کرے اور کبھی مذمت اور ممکن ہی کہ وہ ایک اچھی چیز کی مذمت کرے اور بُری چیز کی تعریف کیونکہ خیر محض کے سوا ہر چیز مین شر کا پہلو اور شر محض کے سوا ہر شر مین خیر کا پہلو موجود ہی عقل علم زہد دولت عزت اور آبرو عموماً ممدوح و مقبول سمجھی جاتی ہین مگر شعرا نے ان کی جابجا مذمت کی ہی اسی طرح دیوانگی نادانی رندی فقر ذلت اور رسوائی عموماً مذموم و مردود گنی جاتی ہین لیکن شعرا ان کے اکثر مداح رہے ہین -

شاعر ایک ہی چیز کی کبھی ایک حیثیت سے ترغیب دیتا ہی اور کبھی دوسری حیثیت سے اُس سے نفرت دلاتا ہی - وہ کبھی قدما کے مقابلہ مین اس لیے کہ وہ اُستاد اور موجد فن تھے اپنے تئین ناچیز و بے حقیقت بتاتا ہی - اور کبھی اِس لیے کہ اُس نے انکی دولت مین کسی قدر اپنی کمائی بھی شامل کی ہی جو اُنکے پاس نہ تھی اپنے تئین اُن پر ترجیح دیتا ہی - وہ کبھی دنیا کی اس لیے تحقیر کرتا ہی کہ وہ دار الغرور و دار المحن ہی - اور کبھی اُسکی بڑائی و عظمت اس لیے بیان کرتا ہی کہ وہ مزرعۂ آخرت ہے وہ ایک ہی گورنمنٹ کی کبھی اُسکی خوبیون کے سبب سے ستایش کرتا ہی اور کبھی اس کی ناگوار کارروائیون کے سبب شکایت - مگر وہ کبھی ان حیثیتون کی تصریح نہین کرتا جن پر اُس کے مختلف بیانات مبنی ہوتے ہین - جب ایک پہلو کو بیان کرتا ہی تو گویا دوسرے پہلو کو بالکل بھول جاتا ہی - وہ ایک نادان بچہ کی طرح کبھی بے اختیار رو پڑتا ہی اور کبھی ہنسنے لگتا ہی - مگر نہ اس کے رونے کا منشا معلوم ہوتا ہی نہ ہنسنے کا پس ممکن ہی کہ شاعر کے کلام مین ایسی بے جوڑ باتین دیکھکر لوگ متعجب ہون - مگر جب تک شاعر کا سا دل اُن کے پہلو مین اور ویسا ہی سودا اُن کے دماغ

مین نہوان کا تعجب رفع ہونا مشکل ہو۔

بہ زیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را　　نوا گران نخوردہ گزند را چہ خبر"

یہ چند اصول جو اوپر بیان کیے گئے اُن سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ نکتہ چینون کی زبان بند کرنی مقصود ہو کیونکہ جسطرح فوارہ روکنے سے زیادہ زور کے ساتھ اُچھلتا ہے۔ اسی طرح نکتہ چینون کی زبان بند کرنے سے اور زیادہ کھلتی ہو۔ دوسرے نکتہ چینون سے کان اسقدر مانوس ہو گئے ہین کہ جسطرح توپ خانہ کا گھوڑا توپ کی آواز سے کبھی کان نہین ہلاتا اسی طرح مصنف نکتہ چینون کے شور و غل کی کچھ پروا نہین کرتے پس اُنکی زبان بند کرنیکی نہ طاقت ہو نہ ضرورت۔ البتہ ضرورت وقت اس امر کی مقتضی تھی کہ دیباچہ مین یہ چند باتین جتا دی جائین ظاہر ہو کہ سویلزیشن جسکو شعر و شاعری کا قاتل کہا جاتا ہو اس کا پرچھاوان اس ملک پر پڑنے لگا ہے۔ شعر جسکو مدرسہ[1] مین لیجانے کی اجازت نہ تھی اس کو روز بروز زیادہ تر مدرسہ ہی کے ساتھ پالا پڑتا جاتا ہو تعلیم ایسے عقل و دانش کے پتلے جوق جوق اور فوج فوج پیدا کر رہی ہے جو شعرا کے نزدیک ذوق معنی سے ایسے ہی بے بہرہ ہین جیسے شعرا انکے نزدیک عقل و دانائی سے۔ اُن پر شعر اتنا بھی اثر نہین کرتا جتنا کہ عرب کے اونٹ پر حُدی خوان کی آواز اثر کرتی ہو۔ غرضکہ شاعرانہ مذاق یوماً فیوماً ملک سے مفقود ہوتا جاتا ہو۔ اور ایسی علامتین موجود ہین جن سے پایا جاتا ہو کہ ہماری شاعری کا چراغ بہت جلد ہمیشہ کے لیے گل ہونیوالا ہو نہ پرانی شاعری باقی رہتی نظر آتی ہو اور نہ نئی شاعری آگے چلتے معلوم ہوتی ہو۔ ایسی حالت مین دیوان شایع کرنا اور شاعری کے متعلق کچھ اصول بیان نہ کرنے ایسی بات تھی جیسے چین مین عبرانی بائبل شایع کرنی۔ اسی لیے مقدمہ مین مطلق شاعری پر کسی قدر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہو اور چند باتین جو خاص اس مجموعہ سے علاقہ رکھتی تھین وہ اب دیباچہ مین بیان کی گئین لیکن اگر غور کیجیے تو اُنمین سے کوئی چیز بھی ضروری نہ تھی۔ مقدمہ اور دیباچہ لکھنا تو درکنار سرے سے

---

[1] یہ اشارہ ہو اس مشہور مقولہ کی طرف کہ "شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد" ۱۲

شعر کہنے ہی کی کچھ ضرورت معلوم نہین ہوتی۔

"آنچہ ما درکار داریم اکثری درکار نیست"

مگر مدبر السموات والارض نے اس خرابۂ آباد نما کی رونق اور بہار ہماری اسی غفلت و نادانی پر موقوف رکھی ہو کہ دن رات یہان کے گورکھ دھندون مین الجھے رہین دھوکے کو حقیقت اور خواب کو بیداری سمجھین اور جس کوشش و جانفشانی کے ساتھ مکڑی عمر بھر اپنے بودے اور کمزور جالے کے پورنے مین سرگرم رہتی ہو اسی کوشش و جانفشانی کے ساتھ ہم بھی اپنی بے بنیاد اور بادر ہوا عمارتین چنتے رہین یہانتک کہ فنا ہو جائین۔

درکارخانۂ کہ بنایش بغفلت است	ہشیار زیستن نہ ز قانون حکمت است
"تَرُوحُ وَنَغْدُو لِحَاجَاتِنَا	وَحَاجَةُ مَنْ عَاشَ لَا تَنْقَضِي
وَيَسْلُبُهُ الْمَوْتُ اَثْوَابَهُ	وَيَمْنَعُهُ الْمَوْتُ مَا يَشْتَهِي
تَمُوتُ مَعَ الْمَرْءِ حَاجَاتُهُ	وَتَبْقَى لَهُ حَاجَةٌ مَا بَقِي"

لہ ترجمہ ہم اپنے کامون مین صبح و شام سرگرم ہین، اور جو شخص زندہ ہو اس کا کام ختم نہین ہو سکتا موت ہی اسکے کپڑے اتروالے گی اور موت ہی اسکی خواہشون کا خاتمہ کرے گی، انسان کی خواہشین اسکے ساتھ ہی مرینگی جبتک انسان زندہ ہو کوئی نہ کوئی خواہش اسکے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ ۱۲

قطعات

چھوٹون کا بڑا بن جانا

چند خطوط اِک دانا نے ‏ کھینچ کے یارون سے یہ کہا
دیکھو ان مین جتنے ہین خط ‏ کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے ‏ دے یونہین چھوٹے خط کو بڑھا
ایک نے جتنے خط تھے بڑے ‏ اُٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
تب نہ رہا وہان پیش نظر ‏ خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اُٹھا کر آنکھ جدھر ‏ تھا وہی چھوٹا وہی بڑا
کل کی ہے یارو بات کہ تھی ‏ قوم مین باقی جان ذرا
قوم مین جیسا حال ہے اب ‏ آدمیون کا کال نہ تھا
تھے موجود ادیبون مین ‏ اخطل واعشی کے ہمتا
منشیون مین ایسے تھے بہت ‏ جن پہ کہ نازان تھی انشا
شعر مین تھے استاد اکثر ‏ سحر بیان اور نکتہ سرا

لے گئی ان کو آخر کار — بحر فنا کی موج بہا
اہل ہنر کا نام و نشان — قوم مین جب باقی نہ رہا
حالی و زید و عمر بنے — صاحب دیوان نام خدا
اب جب ہوا استاد گنو — یا ہمین سمجھو تم یکتا
ہم ہین وہی ناچیز مگر — کتّبو نا کوٹ الکبوا

شعر کی طرف خطاب

اے شعر دلفریب نہو تو تو غم نہین — پر تجھپہ حیف ہی جو نہو دل گداز تو
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام — ہان سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات مین — تحسین روزگار سے ہے بے نیاز تو
حسن اپنا گر دکھا نہین سکتا جہان کو — آپ ہی کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
تو نے کیا ہے بحر حقیقت کو موج خیز — دھوکے کا غرق کر کے رہیگا جہاز تو
وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری — قبلہ ہو اب اودھر تو نہ کیجو نماز تو
اہل نظر کی آنکھ مین رہنا ہی گر عزیز — جو بے بصر ہین اُن سے نہ رکھیو ساز باز تو
ناک اپنی دوا سے تری گر چڑھائین لوگ — معذور جان اُن کو جو ہی چارہ ساز تو
جب جا پائے سچ سے کئی جا دلون مین گھر — اونچا ابھی نہ کر علم امتیاز تو
جو نابلد ہین اُن کو بتا چیتنگی راہ — گر چاہتا ہی خضر کی عمر دراز تو
نابلد لغت مین ... نابلد ناواقف راہ ۱۲
عزت کا بھید ملک کی خدمت مین ہے چھپا — محمود جان آپ کو گر ہے ایاز تو
اے شعر راہ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا — اب راہ سے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
کرنی ہی فتح گر نئی دنیا تو نے نکل — بیڑے دن کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
ہوتی ہی سچ کی قدر پہ بیقدریون کے بعد — اسکے خلاف ہو تو سمجھ اسکو شاذ تو

جو وقت دان ہوا پنا اُسے مغتنم سمجھ   حالی کو تجھ پہ ناز ہو کر اس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہولی ریعان جوانی کی بہار آخر حیف   طبع رنگین تھی مے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد تھی، جو عشق کا کرتے تھے بیان   جو غزل لکھتے تھے، ہوتی تھی سراسر حالی
اب کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی نہ اُمنگ   سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھیے تو کیا لکھیے غزل مین آخر   نہ رہی چیز وہ مضمون سوجھانے والی
آپ بیتی نہ ہو جو، ہے وہ کہانی بے لطف   گرچہ ہون لفظ فصیح اور زبان ٹکسالی
ہان مگر کیجیے کچھ عشق کا غیرون کے بیان   لائیے باغ سے اورون کے لگا کر ڈالی
کھینچیے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر   کیجیے درد جدائی کی کبھی نقالی
تا کہ بھڑکائے جوانون کے دل آتش کی طرح   وہ ہوا جس سے وہ باغ اپنا ہوا ہے خالی
پر یہ ڈر ہے کہین اپنی بھی وہی ہو نہ مثل   "مجمر چون پیر شود پیشہ کند دلالی"

نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل مین   جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجیے
کیجیے تصنیف اور تالیف مین سعی بلیغ   اسمین ایک اپنا پسینا اور لہو کر دیجیے
دیجیے معنے کے نظم و نثر مین دریا بہا   اور سخن کی داد ہر پیر و جوان سے لیجیے
اور نہ ہو گر شعر و انشا کی لیاقت آپ مین   شاعرون اور منشیون پر نکتہ چینی کیجیے

بے تمیزی ابنائے زمان

از رہ فخر آبگینہ سے یہ ہیرے نے کہا   ہے وجود اے مبتذل تیرا برابر اور عدم

جنس تیری کس ہیرس اور قدر و قیمت ہیری ہیچ
ہیرے پانے کی خوشی کچھ اور نہ گم ہونیکا غم

دے سکے دھوکا تو اگر الماس بنجائے تو کیا
امتحان کے وقت کھلجاتا ہو سب تیرا بھرم

سنکر آکر آبگینہ نے یہ ہیرے سے کہا
گو کہ ہے رتبہ ترا مجھ سے بڑا اے محترم

مجھ مین اور تجھ مین مگر کرسکتے ہین جو امتیاز
ہین میسر ایسے اس بازار ناپرسان مین کم

تیرے جوہر گو نہین موجود اپنی ذات مین
تجھ سے اے الماس لیکن اچھے پڑتے ہین ہم

ایک خودپسند امیرزادہ کی تضحیک

کہتے ہین اک امیرزادہ کو
تھا خدنگ افگنی کا شوق کہین

خصلتین جو امیرزادون مین
لازمی ہین۔ وہ اسمین بھی سب تھین

گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی
اس پہ تھا خود پسند اور خود بین

کچھ نہ تھا پر سمجھتا تھا سب کچھ
علم تیر و کمان مین اپنے تئین

واہ واہ سنکے یارون کی
ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقین

الغرض ایک روز صحرا مین
جب کہ تھے ساتھ سب جلیس و قرین

مشق تیر افگنی مین تھا مصروف
کر رہے تھے خوشامدی تحسین

آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال
وجہ تحسین ہوئی نہ ذہن نشین

تیر جتنے کمان سے چھوٹے
پائے سب بے اصول و بے آئین

جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا
تیر آتا جگہ کے کوئی قرین

ایک جاتا تھا چھٹ کے سوئے شمال
ایک جاتا تھا چھٹ کے سوئے یمین

کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی
رکھ کے بالائے طاق سب تمکین

خاک تودے پہ جا کے ہو بیٹھا
لوگ کرتے رہے چنان و چنین

ناوک انداز بولا چلا کر
کوئی تجکو جنون ہے اے مسکین

یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے — یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جان حزین
عرض کی چارہ کیا ہے اسکے سوا — جبکہ جائے گریز ہو نہ کہین
زد سے ان بے پناہ تیرون کی — کہین جان دار کو امان نہین
مجھ کو ہر پھر کے شش جہت مین حضور — امن کی اک جگہ ملی ہے یہین

پولٹیکل اسپیچین

اے بزم سفیران دول کے سخن آرا — ہر خورد و کلان تیری فصاحت پہ فدا ہے
یہ سچ ہے کہ جادو ہے بیان مین ترے لیکن — کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہے
ظاہر ہے نہ غصہ ہے بیان سے تری رنجش — نے لطف مین کچھ طرز بیان اس سے جدا ہے
ہے دل مین نہان ایک شکایات کا طومار — اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
جو صلح کی باتین ہین وہ ہین شہد سے شیرین — اور جنگ مین کچھ لطف سخن اس سے سوا ہے
گر سوچیے تو سیکڑون پہلو ہین مفر کے — اور سنیے تو تجویزون سے ہر قول بھرا ہے
دل کی تری ہوتی نہین معلوم کوئی بات — گونگا نہین گویا نہین کیا جانیے کیا ہے
کھلتا نہین کچھ اسکے سوا تیرے بیان سے — اک منہ ہے خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہے
تجھ سے لب اظہار پہ اب آ کے کھلا یہ — انسان کو اخفا کے لیے نطق ملا ہے

بدی کر کے نیکنامی کی توقع رکھنی

نا منصف و بے رحم تھا اک ضلع کا حاکم — برتاؤ سے نالان تھی بہت جسکی رعیت
جب دورہ کو اٹھتا تھا تو دیہات مین جا کر — تھا پوچھتا ایک ایک سے از راہ شرارت
ہین پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہین کیسا — کرتے ہین ہماری وہ ستائش کہ مذمت
تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بہ آواز — جسکو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت

گاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
ہوتا کہ یہ معلوم کہ ہے دور سے میری آواز خوش آیند دیا قابل نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا زینت و اسباب پہ جو لوگ اتراتے ہین۔ اک آنکھ مجھے وہ نہین بھاتے
حالی نے کہا جن کو ہے اترانے سے نفرت اترا کے وہ اس طرح نہین ناک چڑھاتے

سید احمد خان کی تکفیر

مختلف اقوال ہین اسلام کی تعریف مین بعض کے نزدیک توحید اسکی حد تام ہے
ہے مگر جمہور کے نزدیک مردود قول جو ہین قائل اسکے اُن پر کفر کا الزام ہے
کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہے اُس حد کو عام جس سے غیر از اہل قبلہ جو ہے وہ ناکام ہے
بعض کہتے ہین کہ شرعی سب امین ہین بس مسلمانی و دین داری اسی کا نام ہے
پر یہ حد بھی جامع و مانع نہین عند العقول کہتے ہین اسلام جو سمجھے اُسے وہ خام ہے
اسمین کا مستحق ہے خاصکر اپنا گروہ اور سب کا لفظ یار اغیار سب کو عام ہے
بعض کہتے ہین شعار اسلامیون کا ہے لباس جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
بعض بتلاتے ہین کچھ اور بعض فرماتے ہین کچھ حصر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے
مذہب منصوص ہے لیکن بیان کرنا ضرور جو مسلم آج کل نزدیک خاص و عام ہے
اہل حل و عقد ہین اب متفق اس رای پر سید احمد خان کو کافر جاننا اسلام ہے

سطر ۱ اقوال مختلف ہین سب پر قول ان کے ہین اسکو نہ سب منصور کہتے ہین ۱۲

قرض لیکر حج کو جانیکی ضرورت

قریب موسم حج۔ قرض لے کے اک دیندار چلا بہ نیت حج۔ گھر سے سوے بیت اللہ

کہا یہ اس سے اک آزاد نے کہ اے حضرت — کیا ہے آپ کو شارع نے جبر یا اکراہ
کہ قرض لیکے چلے ہیں حضور سوئے حجاز — وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحال تباہ
نہ نان و نفقۂ فرزندوں سے خاطر جمع — نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
سنا یہ اور بہت ترش ہو کے فرمایا — کہ روکتا ہے مسلمان کو حج سے اے گمراہ
وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے — نگین و خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میہمانوں کی — پہنچتے جو کہ ہیں طے کر کے بحر و بر کی راہ
جنھیں فراغت و تنگی میں ہے اسی سے امید — جنھیں سلامت و آفت میں ہے اسی کی پناہ
وہ سن کے بولا کہ ناخواندہ میہمانوں کو — امید لطف کی رکھنی ہے میزبان سے گناہ
ذلیل ہوتے ہیں جو بن بلائے جاتے ہیں — طفیلیوں کی نہیں دعوتوں میں عزت و جاہ
یہ سن کے شیخ نے دیکھا ادھر ادھر کہ کہیں — ہو بدعتی نہ مجلس میں یاں کوئی ہمراہ
بلا کے پاس پھر آہستہ اس سے فرمایا — ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
قدم پہنچتے جہاں تک ہیں پختہ کاروں کے — جوان خام کی واں تک نہیں پہنچتی نگاہ
خدا کے حکم ہیں مبنی تمام حکمت پر — فتوح جن میں ہو دنیا و دین کی خاطر خواہ
نماز و روزہ ہو یا ہو طواف و عمرہ و حج — حصول جیسے کہ ہوتا ہے ان سے قرب الٰہ
یہی طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں تمام — نہ جنہیں چاہیے محنت نہ کوشش جانکاہ
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے — ورنہ — ہزاروں پھرتے ہیں حجاج سادہ لوح تباہ
یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردار — وگرنہ علم معیشت وسیع ہے واللہ

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا حاصل ہو آزادی جنھیں — قدر دان اُن سے بہت بڑھکر ہیں آزادی کے ہم
ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں — قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہو اتنی ہے کم

عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں سوا / بینوا کو ہے زیادہ قدر دینار و درم

تعرف الاشیاء بالاضداد ہے قول حکیم / دیکھا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ ہم

سن کے اک آزاد نے یہ لاف چپکے سے کہا / ہے[١] سقر موری کے کیڑے کے لیے باغ ارم

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہیں آزاد ہو جاتا ہے جب لیتا ہے سانس / یاں غلام آکر کرامت ہے یہ انگلستان کی

اسکی سرحد میں غلام آن نے جو ہیں رکھا قدم / اور کٹ کر پاؤں سے ایک اک کے بیڑی گر پڑی

قلب ماہیت میں انگلستان ہے گر کیمیا / کم نہیں کچھ قلب ماہیت میں ہندستان بھی

آن کر آزاد یاں آزاد رہ سکتا نہیں / وہ رہے ہو کر غلام۔ اسکی ہوا جنکو لگی

سید احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خان سے اک منکر نے پوچھا کہ آپ / کس لیے سید سے صاف اے حضرت والا نہیں

کافر و ملحد ہمیشہ اسکو ٹھہراتے ہیں آپ / ثابت اسلام اسکا نزدیک آپکے گویا نہیں

آپ بھی (نام خدا) ہیں تارک صوم و صلوٰة / اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں

دہریت پر سُنے ہیں ہم نے ایراد آپکے / اور الوہیت پہ بھی دل جمع حضرت کا نہیں

چشم پوشی ور آپ کا بھی جب کہ ہو مشرب وسیع / پھر یہ سید پر تبرا آپ کو زیبا نہیں

سن کے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے / بات یہ ہے سن لو صاحب تم سے کچھ پردہ نہیں

رنج کچھ اس کا نہیں مجکو کہ وہ ایسا ہے کیوں / بلکہ ساری کوفت ہے اسکی کہ میں ویسا نہیں

---

١ یعنی جسطرح موری کے کیڑے کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا اسی طرح
جو قومیں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آتی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں۔

قحط اہل اللہ

کل خانقاہ مین تھی حالت عجب طاری
جو تھا سو چشم پُرنم - اپنا تھا یا پرایا

"دنیا سے اُٹھ گئے سب جو تھے مرید صادق"
یہ کہہ کے شیخ کا دل بیساختہ بھر آیا

ہمنے کہا مریدی باقی رہی نہ پیری
یہ کہہ کے ہم بھی روئے اور اسکو بھی رُلایا

نوکرون پر سخت گیری کرنیکا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکرون پر سخت گیر
درگذر تھی اور نہ ساتھ اُنکے رعایت تھی کہین

بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُنکی معاف
کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئین

حسن خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار
ذکر کیا نکلے جو چھوٹے مُنہ سے اُسکے آفرین

پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اُس سے دوچار
نتھنے پھولے مُنہ چڑھا ماتھے پہ بل ابرو پہ چین

تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لیے کوئی فتوح
آکے ہوجاتے تھے خائن گو کہ ہوتے تھے امین

رہتا تھا اک شرائط نامہ نوکر کے پاس
فرض جسمین نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعین

گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار
زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبین

حکم ہوتا تھا شرائط نامہ دکھلاؤ ہمین
تاکہ یہ درخواست دیکھین درج بھی ہے یا نہین

جو ان سوا تنخواہ کے تھا جسکا آقا ذمہ دار
تھین اگر جتنی وہ ساری نوکرونکے ذمہ تھین

دیکھ کر کاغذ کو ہوجاتے تھے نوکر لاجواب
تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مار آستین

ایک دن آقا تھا اک مُنہ زور گھوڑے پر سوار
تھک گئے جب زور کرتے کرتے دست نازنین

دفعتاً قابو سے باہر ہو کے بھاگا راہوار
اور گرا اسوار صدر زین سے بالائے زمین

کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤن سے لیکن رکاب
کی نظر سائیس کی جانب کہ ہو آکر معین

تھا مگر سائیس ایسا سنگدل اور بیوفا
دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا لعین

دور ہی سے تھا اُسے کاغذ دکھا کر کہہ دیا — دیکھ لو سرکار اسمین شرط یہ لکھی نہین

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی رائے — اسی پر ہے جہان کا اتفاق اب
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم — زبان جسکی ہو ایک اور نسل و مذہب
مگر سنتا ہے بعضون نے دی ہو — نہین جو رکھتے ہین اپنی مذہب
وہ نیشن کہتے ہین اُس بھیڑ کو بھی — کہ جسمین وحدتین مفقود ہون سب
زبان اس کی نہ ہو مفہوم اُس کو — ہون آدم تک جدا سب کے جد و اب
جو واحد لا شریک اس کا خدا ہو — تو لاکھون اُس کے ہون معبود و رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گذرا کہین میلا کچیلا اک غلام — اُسکے میلے پن پہ لوگون نے ملامت اسکو کی
عرض کی ایک اک رواں ہے جس تن کا مالک غیر — اختیار اسکی صفائی کا نہین رکھتے رہی (غلام ۱۲)
جو ہین آزاد اور صفائی کا نہین رکھتے خیال — عذر میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہون یہی
کیونکہ جسم آدمی ہین پیش اہل معرفت — کوئی چیز اس کی نہین سب ہے امانت غیر کی

دلّی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی سے کہا از رہِ انصاف — وہ کرتے ہین پسند اہل زبان کے سخن کو
جتنے اہل زبان جنکو کہ دعوی تھا سخن کا — بولے کہ نہین جانتے تم شعر کے فن کو
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہو اہل زبان سے — ہو چھوڑ نہ گئی شہر زبان اُس کے وطن کو
معلوم ہے حالی کا جو ہے مولد و منشا — اُردو سے بھلا واسطہ حضرت کے وطن کو

اُردو کے وہ دشمن ہین جو دلّی کے ہین روڑے
پنجاب کو مَس اس سے نہ پورب نہ دکن کو

بلبل ہی کو معلوم ہین انداز چمن کے
کیا عالمِ گلشن کی خبر زاغ و زغن کو

حالی کی زبان گرکشش شہر لبین ہو
خالص نہو تو سمجھے کیا لے کے لبن کو

ہر چند کہ صنعت سے بنا لے کوئی نافہ
پہونچے گا نہ وہ نافۂ آہوئے ختن کو

مانا کہ ہے بیساختہ پن اُسکے بیان مین
کیا پھونکیے اس ساختہ بیساختہ پن کو

یہ دوستنے حالی کے سُنی جبکہ تعلّی
حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو

کچھ شعر تھے یاد اُن کے پڑھے اور یہ پوچھا
کیون صاحب عزت اسی اُردو سے ہی فن کو

سچ یہ ہے کہ جب شعر ہون سرکار کے ایسے
کیون آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو

حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے
پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

بیٹیون کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ مین یہ تھی رسم عرب
کہ کسی گھر مین اگر ہوتی تھی پیدا دختر

سنگدل باپ اُسے گود سے لیکر ماں کی
گاڑ دیتا تھا زمین مین کہین زندہ جاکر

رسم اب بھی یہی دنیا مین ہے جاری لیکن
جو کہ اندھے ہین سمجھے کہ نہین کچھ انکو خبر

لوگ بیٹی کے لیے ڈھونڈھتے ہین جب پیوند
سب سے اول انھین ہوتا ہے یہ منظور نظر

ایسے گھر بیاہیے بیٹی کو جو ہو آسودہ
اور سمدھی سے جو ذات مین ہو افضل تر

جانے پہچانے ہون سمدھیانہ کے سارے زن و مرد
اُن کے معلوم ہون عادات و خصائل یکسر

ایک ہی شہر مین ہون دونون گھرانے آباد
دونون نزدیک قرابت مین ہون باہمدیگر

جیتے جی مرگئی بس ان کی طرف سے گویا
جاکے پردیس مین بیٹی کو دیا بیاہ اگر

چھان بین اسکی تو کرتے ہین کہ گھر کیسا ہو
پر نہین دیکھتا یہ کوئی کہ کیسا ہو بر

بدمزاجی ہو جہالت ہو کہ ہو بد چلنی
کچھ بُرائی نہین ذی ثروت ہو داماد اگر

وہ بھی ناشدنی دیت ہی جس کے کارن
بکریاں بھیڑیوں سے پاتی ہیں پیوند اکثر

جاہلیت میں تو تھی اک یہی آفت کہ وہاں
گاڑ دی جاتی تھی بس خاک میں تنہا دختر

ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی
زندہ درگور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر

اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام
جاہلیت سے کہیں ہی وہ زمانہ بدتر

سید احمد خان کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی

وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا
لیکن نہ اُس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی

اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی
تدبیر بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی

روزی کی خاطر اُس نے کیے سیکڑوں جتن
پر کی کہیں نصیب نے اس کے نہ یاوری

راہِ طلب میں جب ہوئی سرگشتگی بہت
اک خضر پے بخت نے کی آ کے رہبری

جھک کر کہا یہ کان میں اُسکے کہ آجکل
سنتا ہوں چھپ رہی ہیں تصانیفِ احمدی

جا اور لفظ لفظ کو اس کے چھیڑ کر
تردید اسکی چھاپ دے جو ہو بری بھلی

پھر دیکھنا کہ راس و چپ و گرد و پیش سے
لگتی ہے کیسی آ کے زر و سیم کی جھڑی

دنیا طلب کو چاہیئے اک یہ فریب ہو
دنیا پہ جب تلک کہ مسلط ہے ابلہی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے اے خدا پرست
دل میں کہیں نشاں نہیں تیرے یقین کا

جی میں ترے ہزاروں گزرتے ہیں وسوسے
ہوتی نہیں قبول تری اک اگر دعا

تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بت پرست
جسکا یقین ہے تیرے یقین سے کہیں بڑا

وہ مانگتا بتوں سے مرادیں ہے عمر بھر
گو حاجت اس کی اُن سے ہوئی ہو نہ [illegible]

آتا نہین یقین مین اسکے کبھی قصور — امید اُسکی روز فزون ہے اور التجا
توبندہ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہ ہو — وہ ہے کہ یہ ہے بندگی؟ اے بندۂ خدا

استفادہ

لیجیے بھیک دو اگر ہو گداگری کا یہ — جس سے ملے جہان سے ملے جو ملے اور جب ملے
ہے یہی اصل اکتساب ہو جیو سب سے مستفید — زک ملے۔ یا سزا ملے۔ درس ملے ادب ملے

لایق آدمی دوست اور دشمن دونون سے فائدہ اُٹھا سکتے ہین

قول ایک حکیم کا ہے کہ گر غور کیجیے — ہے حق مین سب کے دوست سے دشمن بہ مفید تر
اول تو سوجھتا ہی نہین عیب دوست کو — اور سوجھتا ہے تو نہین لاتا زبان پر
پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب — سو سو طرح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
دشمن سے بڑھ کے کوئی نہین آدمی کا دوست — منظور اپنے حال کی اصلاح ہو اگر
اور دوست سے زیادہ نہین کوئی بدسگال — رکھتا ہی جو کہ دوست کے عیب اُس سے مستتر
گو قول ہے متین پہ جو تھی سخن کی تہ — افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ وان نظر
دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہین مستفید — عیب انکے دوست کیون نہ جتائینگے بے خطر
اور جو کہ دوست سے نہین سن سکتے اپنے عیب — وہ دشمنون کے طعن سے کیا ہونگے بہرہ ور
جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یان — موقوف عبرت[1] انکی نہ دشمن نہ دوست پر

[1] عبرت و اعتبار نصیحت حاصل کرنا۔ ۱۲

سخن سازی

ہے مردِ سخن ساز بھی دنیا میں عجب جنس
پاؤ گے کسی فن میں کہیں بند نہ اُس کو

موجود سخنگو ہوں جہاں واں ہیں طبیب آپ
اور جاتے ہیں بن آپ طبیبوں میں سخنگو

دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو آپ ہیں سب کچھ
پر ہیچ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دو تو

عقل اور نفس کی گفتگو

نفس کو عقل نے چاہا کرے خوار و زبوں
اپنے دعووں پہ بیان کرکے دلیل و برہان

کہا اے نفس نہیں تجھ میں مآل اندیشی
درد ہیں تیرے۔ اسی واسطے سب بے درمان

ہے غنیمت تجھے وہ رات کی دم بھر کی خوشی
جس کا آتا ہے نظر نیشتر از صبح زیان

سود سے کچھ تجھے رغبت نہ زیاں سے پرہیز
تیرے نزدیک ہے درد اور دوا سب یکساں

نہیں غفلت میں تجھے دین نہ دنیا کی خبر
یہ بھی ہے نیند کوئی۔ موت کا ہے جس پہ گماں

نہ جوانی میں تجھے صبر نہ پیری میں شکیب
کبھی ہوتا نہیں کم تیری خودی کا طوفاں

کہیں جائے نہ بھٹک منزلِ مقصود سے تو
دیکھ جاتا ہے کدھر اور تجھے جانا ہے کہاں

ہاتھ دھو لذتِ فانی سے۔ نہیں گر منظور
عیشِ باقی و حیاتِ ابدی سے حرماں

نفس نے عقل سے کی عرض کہ اے خضر طریق
وعظ پر تیرے ہے دنیا کہ فدا کیجیے جان

پر نہیں حکم ترا کوئی۔ عمل کے قابل
گو کہ حکمت سے بھرا تیرا سراسر ہے بیان

نقد کو چھوڑنا اور نسیہ کی رکھنی امید
کوئی تسلیم کرے گا نہ اسے جز نادان

ہے یہ ایک ایک مری لذتِ فانی وہ بلا
سو حیاتیں ابدی تیری ہیں جس پر قرباں

ایک اب بھوکے سے کہتا ہے کہ لے قابِ طعام
ایک سو لے کرتا ہی پس از سال رواں

کیونکہ امید پہ اک مائدۂ نعمت کی
سال بھر صبر کرے گرسنگی میں انساں

عقل نے سُن کے کہا خوف ہے تجھسے اے نفس — خونریزہ تیرا تجھے دیکھیے پہونچائے کہان
حق کے پیرایہ مین ہوتا نہین باطل سرسبز — کیجیے لاکھ بیان اسپہ دلیل و برہان
جان بلب بھوک سے ہو گرسنہ بالفرض اگر — زہر دانستہ کرے نوش، نہین یہ امکان
نہ کہین بھوک مین کھا بیٹھیو یہ لقمہ الفتد — اسکے کھاتے ہی نہین جان کی خیر ای نادان

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط مین نے عادت سے کہا — گھیر لی عقل صواب اندیش کی سب تو نے جاے
ہنسکے عادت نے کہا کیا عقل ہے مجھسے الگ؟ — مین ہی بنجاتی ہون نادان رفتہ رفتہ عقل و راے

شعرا کو سلطنت مین دخل دینا

سنتے ہین یہ اک مُدبر کی ہے راے — "چاہیے گر رونق علم زبان
شاعرون کو سلطنت کا کیجے رکن — جنمین اُسکی سب کانین ہین عیان"
راے صائب ہے بظاہر اور متین — گو کیا اس کا نہین کچھ امتحان
شعر و انشا کو تو ہو شاید فروغ — ہے بہت کم پر خلاف اسکے گمان
سلطنت کا پر خدا حافظ ہے جب — شاعرون کے ہاتھ ہو اسکی عنان
اور جو وہ شاعر ہین ہندوستان کے — شعر و انشا کو بھی ہے خوف زیان
ایک پر اُنمین سے چل سکتا نہین — دوسرے کا جادوے حسن بیان
ایک جب چلنے نہ دیگا ایک کی — پھر ترقی شعر و انشا کی کہان

ایک کسی کی خوبیان سُن کر اتنے خوش نہین ہوتے جتنے کہ اسکے عیب سُنکر

اپنے عیبون کے ہین ہم جتنے کہ ممنون حالی — اسقدر خوبیون کے اپنے نہین شکر گذار

لوگ جب عیب ہمارا کوئی سُن پاتے ہین — گو کہ کرتے ہین تاسف کا بظاہر اظہار
پر خوشی کا ہی یہ عالم کہ ہو سچ ان کو کمال — گر نصیبون سے وہ افواہ غلط پائے قرار
اور جو ہو گوش زد اُن کے کوئی خوبی اپنی — خوش تو پڑتی ہو بنانی انھین صورت ناچار
دل مین ہوتا ہو مگر غم کا یہ عالم اُنکے — کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہین وہ زنہار
عبدالحمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا — نفس مین اپنے ہو سامان بہت کچھ تیار

شایستہ لوگون کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال — انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اُسکی جب یہی دیکھی گئی روش — پوچھا کسی نے اُس سے کہ اسکا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اس لیے کی ہے یہ اختیار — چھُٹ جائے تاکہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا
پہلے جو بھاگوانون سے ملتی تھی روز بھیک — آتا تھا مانگنے مین بہت بھیک کے مزا
پر جب سے ہو سوال کا اُس قوم پر مدار — منت سے عجز سے کبھی ملتا نہین ٹکا
امید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت — گر چند روز اور رہا ان سے سابقہ
آیا جواب سُن کے یہ اُس کا بہت پسند — کی آفرین اور اُس سے مخاطب نے یون کہا
بیٹھے ہین جو کہ ملک مین تعلیم یافتہ — حق مین ترے مفید ہین یہ اُن سے بھی سوا
انگریز اگرچہ ہندیون کے حق مین ہین بخیل — اہل وطن پہ اُن کی مگر جان ہے فدا
پر جو کہ دیسیون مین ہین تعلیم یافتہ — دل بھائیون پہ بھی نہین ان کا پسیجتا
انگریز اتنے اجنبیون سے نہین نفور — جتنے کہ یہ عزیز عزیزون سے ہین خفا
اہل غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہین یہ — شایستگی کا زہر ہے جب سے انھین چڑھا

اسراف

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا — کب تک اے نادان یہ حب مال و زر

تو جو یون رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ　　ہے سدا دنیا ہی مین رہنا مگر؟
ہنسکے ممسک نے کہا اے سادہ لوح　　زر لٹانا رائگان اور اس قدر؟
آج ہی گویا (نصیب دشمنان)　　آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

پاس نیکنامی

اے نیکنام شکر کر اللہ کا ادا　　جس نے بنایا نیک تجھی کر کے نیکنام
ہوتا اگر نہ پاس تجھے نام نیک کا　　پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام
حاشا کہ تجھکو خوف خدا کا ہو اس قدر　　جتنا کہ خوف طعنہ و تشنیع خاص و عام

غرور نیکنامی

گئی ہے حد سے گذر شیخ کی نکونامی　　گمان بد کبھی اس کی طرف نہین جاتا
جو اسکے عیب قسم سے بیان کرے کوئی　　خود اسکو عیب کا اپنے یقین نہین آتا

کالے اور گورے کی صحت کا مکمل امتحان

دو ملازم ایک کالا اور گورا دوسرا　　دوسرا پیدل مگر پہلا سوار رہوار
تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف دونو رواں　　کیونکہ بیماری کی رخصت کے تھے دونون خواستگار
راہ مین دونون کے باہم ہوگئی کچھ مشت مشت　　کوڑا مین کالے کی اک مکا دیا گورے نے مار
صدمہ پہنچا جس سے تلی کو بہت مسکین کی　　آ کے گھوڑے سے لیا سائیس نے اسکو اتار
ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی　　چوٹ کے صدمہ سے غش کالے کو آیا چند بار
آخرش کوٹھی پہ پہونچ گئے دونو پیش و پس　　ضارب اپنے پاؤن اور مضروب ڈولی مین سوار
ڈاکٹر لے آئے دونو کی سنی جب سرگذشت　　تہ کو جا پہونچا سمجھ کی حسن کے قصہ ایکبار

دی سند گورے کو لکھ یہ تھی جسمیں تصدیق صرف | اور یہ لکھا تھا کہ سائل ہے بہت زار و نزار
تھے اک کالا جس گورے کے گئے سے مرے | کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار
اور کہا کالے سے کہ تمکو مل نہیں سکتی سند | کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جاندار
ایک کالا پٹ کے جو گورے سے فوراً مر جائے | آئے پایا اسکی بیماری کا کیونکر اعتبار

خودستائی

اہل نظر وہ کون ہے جو خودستا نہیں | پر خودستائیوں کے ہیں عنوان جدا جدا
جز بہرہ خرد سے معرا ہیں سادہ لوح | کرتے ہیں خوبیاں وہ بیان اپنی برملا
جو ان سے تیز ہوش ہیں سو طرح سے وہ | پردوں میں کہتے ہیں اسی مضمون کو ادا
کہتا ہے ایک کیسی حماقت ہوئی ہے آج | کمبل تھا ایک گھر میں سو سائل کو دے دیا
کہتا ہے دوسرا کہ گیا ہوں کے منفعل | سائل کی طرح میں نے دیا مال جب دکھا
پردہ میں زیرکی کے چھپاتا ہے بخل یہ | اور پیچ سے بیوقوف جتاتا ہے وہ سخا
کچھ اس لیے کہ ہم بھی انھیں میں ہیں ہم نوا | اہل وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں ثنا
کچھ اس لیے کہ اپنا ہو انصاف آشکار | کرتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص جا بجا
کہتا ہے ایک لاکھ شرابیں نے پر آگ کی | پر عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا
کہتا ہے ایک گرچہ خوشامد ہے اور ہی | پر جانتے آدمی کو ہیں کہہ کے ہم برا
دھوکا ہنر کا دے کے چھپاتا ہے عیب یہ | اور ضعف سے ہنر کہہ کے دکھاتا ہے وہ چھپا
چپ چاپ سن رہا ہے کوئی اپنی خوبیاں | گویا کہ یہ بیان ہے سب راست اور بجا
کہتا ہے اس پہ کوئی کہ حسن ظن ہے | اک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا
قانع ہے وہ انھیں پہ ہے جو وصف جو بیان | اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا
کہتا ہے زید عمرو ہی ہے سادہ لوح | گنتا ہے سب کو نیک وہ اچھا ہو یا برا

کہتا ہے عمرو زید بھی کتنا ہے عیب بین ‎ ‎ بد ہو کہ نیک اُسکی زبان سے نہیں بچا
یہ اُس کا اور وہ اس کا بیان کر کے کوئی عیب ‎ ‎ ہر اک ہے اپنی اپنی بڑائی نکالتا
غیبت ـ امید ہے کہ نہ ہوتی جہان مین ‎ ‎ ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا
حالی جو غیر کے کھولتے ہین جہان کے ‎ ‎ شاید کہ اُس سے آپ کا ہوگا یہ مدعا
یعنی کہ لاکھ پردے مین کوئی چھپائے عیب ‎ ‎ اپنی نظر سے رہ نہین سکتا کبھی چھپا
القصہ جسکو دیکھیے جاہل ہو یا حکیم ‎ ‎ آزار مین خودی کے ہے بیچارہ مبتلا

حملۂ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ دشمن ہمارے بس مین ہے ‎ ‎ گر کبھی حملہ پہ اُسکے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ گھبکیان تھین نفس کی ‎ ‎ جن کو نادانی سے حملے اُسکے ٹھہراتے تھے ہم
جب کیا حملہ ہمیں عقل نے ہتھیار ڈال ‎ ‎ زور بازو پہ ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم مین افلاس ہو اُس مین بخل اتنا برا نہین جتنا اسراف

حالی سے کہا ہم نے کہ ہے اسکا سبب کیا ‎ ‎ جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
لیکن نہ پڑا آپکے سب اگلے سخنور ‎ ‎ جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
اسراف تمام قوم ہے پر بخل سے کمتر ‎ ‎ ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع حلاوت
حالی نے کہا ہنس کے نہ پوچھو سبب اسکا ‎ ‎ یاروں کے لیے ہے یہ بیان موجب رقت
کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اسوقت ‎ ‎ جب قوم مین افراط سے تھی دولت و ثروت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تونگر ‎ ‎ پھر اسمین نہین بخل سے بدتر کوئی خصلت
اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ اقبال ‎ ‎ گھر گھر پہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت
ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی ‎ ‎ پرواز کی ہے جیسے پر ٹوٹوں کو ہدایت

رؤساے عہد کی فیاضی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت — بر سبیل تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا
بولے آج اُس کا نہیں مہمان نوازی میں نظیر — عاملان شہر مدعو اُسکے رہتے ہیں سدا
ضلع کے حکام کا ادنی اشارہ چاہیے — پھر کوئی دیکھے سخاوت اُسکی اور بذل و عطا
یادگاریں جتنی ہیں اعیان دولت کی یہیں — انمیں صرف اُسکی رقم ہے سب کے چندہ سے سوا
پالکی یا دگنٹ ہے جو سواری اُسکے پاس — اہلکاروں کے لیے ہر وقت بے چون و چرا
کیا کلکٹر کیا کمشنر کیا سپاہی کیا عسس — اُسکی ہمت کے ہیں سب مداح بے روو ریا
جب یہ دیکھا مدح کا دفتر نہیں ہوتا تمام — جوڑ کر ہاتھ اُن سے حالی نے بصد منت کہا
عیب بھی اُس کا کوئی آخر کرو یارو بیان — سنتے سنتے خوبیاں جی اپنا متلانے لگا

ایمان کی تعریف

فقیہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف — تو دی چراغ سے اُسکو آپ نے مثال
کہا فتیلہ اقرار باللسان ہے ضرور — یہاں ہے آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل[1] — نہیں ضرور فتیلہ کا جسمیں استعمال

برکت اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہیں جنمیں ملاپ — دولت و بخت ہے ہر حال میں اُنکے ہمراہ

[1] یعنے کروسین آئل جو بغیر بتی کے بھی جل سکتا ہے۔ گویا مجیب کے نزدیک اقرار باللسان ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہے ۱۲

نہ انھین حاجت اعوان، نہ تلاش انصار — نہ اُنھین خوف بداندیش، نہ بیم بدخواہ
ہے نہین رابطہ جس قوم مین اور یکجہتی — اُسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ اُن کے لیے قلعہ نہ خندق نہ فصیل — نہ مفید اُن کے لیے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک مُلّا نے سُنا جب یہ سخن فرمایا — تکیہ اور اس قدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور نفاق اصل مین کچھ چیز نہین — دست قدرت کے ہے سب ہاتھ سفید اور سیاہ
وان نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ پھوٹ کا ڈر — پڑ گئی فضل کی مولا کے جدھر ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر — کردین افراد پراگندہ جماعت کو تباہ
پر تجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم — اُسکو جب دیکھا ہے، دیکھا ہے جتھون کے ہمراہ

بُعدِ صوری مانعِ قربِ معنوی نہین ہے

حالی نے جو رہنے کے لیے شہر مین اک گھر — جا اپنے محلہ سے کہین دور بسایا
جب اہلِ محلہ سے چلا ہو کے وہ رخصت — دل درد جُدائی سے عزیزون کا بھر آیا
ہمسائے و احباب لگے کرنے سب افسوس — اک دوست شکایت کے سخن لب پہ یہ لایا
بلی کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہے گھر پر — اتنی بھی محبت تمھین گھر سے نہین آیا
حالی نے کہا "انس ہے چیز اور، وفا اور — بلی نے مزا پھل کا وفا کے نہین پایا
اُس مہر و وفا کے نہین بلی پہ پڑی چھینٹ — کتے نے ہے جس کا کہ سبق ہمکو پڑھایا
ہم عشق ہین مکینون پہ وہ عاشق ہین مکان کی — گھر بھول گئے ہم تو نہین تمکو بھلایا
گھر دل مین ہو یارون کا تو پھر گھر سے برابر — مشرق مین بسایا ہو کہ مغرب مین بسایا

ناصحِ مخلص اور اہلِ غرض مین تمیز

منصور نے یہ جعفرِ صادق سے عرض کی — "محتاج ہے ہمیشہ سے ناصح کا ہر بشر

کرتے رہیں گر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ — ہوتا رہوں گا پند سے حضرت کی بہرہ ور
فرمایا ہوتے ہیں تری صحبت میں جو شریک — لائیں گے وہ نہ حرف نصیحت زبان پر
اور ان سے ہو امید نصیحت وہ بایقین — صحبت میں بیٹھنے سے کریں گے تری حذر

خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خدام ماموں کے بہت گستاخ تھے — ایک دن خادم کی گستاخی پہ ماموں نے کہا
کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت — پیش خدمت اسکے بداخلاق ہوتے ہیں سدا
یہ جو سچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوخ چشم — ہے دلیل اسکی کہ ہے خود خلق آقا کا برا
کھو دیا ہیبت کو اپنی جس نے اور تمکین کو — اس نے گویا ڈھا دیا رکن رکین اخلاق کا

خوشامد کرنے کی ضرورت

متوکل کا تیر چوٹا پر — ہوگیا اتفاق سے جو خطا
ابن حمدون ندیم تھا حاضر — کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا
جن کو خلق خدا پہ شفقت ہے — خون بہانا نہیں وہ رکھتے روا
جا نہ سکتی تھی بچ کے تیر سے وہ — تونے دی قصداً اسکی جان بچا
ابن حمدون نے کی یہ دانائی — کہ خوشامد سے یوں اسے ٹھپکا
دور تھا ورنہ کیا خلیفہ سے — ہو کے اپنی خطا سے کھسیانا
جاتے کھچ تک ابن حمدون پر — تیر کا اپنے امتحاں کرتا
ابن حمدون کی جان گو جاتی — دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا

رعیت پر نااہل کو مسلط کرنا

ہارون نے کہا مصر تھا جب اسکے — فرعون نا تھا مصر ہی نے خدا بنایا

وہ خطۂ ملعون تھا یہی جسکی بدولت
تھا دلمین خدائی کا خیال اسکے سمایا

مین بھی اُسے اُس باغی طاغی کے علی الرغم
اک بندۂ بیقدر کو بخشونگا خدایا"

کہتے ہین خصیب ایک غلام حبشی تھا
جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا

کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے
نا اہل کے پنجہ مین اہالی کو پھنسایا

باڑھی گئی بہا ایک برس نیل کی رو مین
یہ حادثہ آ اس کو کسانون نے سنایا

فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اون
ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اُٹھایا

ہارون نہ سمجھا کہ ودیعت ہے خدا کی
محکوم ہے جو میری رعایا و برایا

فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا
اپنے کو خدا جس نے ہے عالم کو بنایا

جوکھون مین نہ یون ڈالتا مخلوق کو اپنی
اک سفلۂ ناکس کی بنا اس کو رعایا

رشک

ظاہر ا مردون کی طینت مین نہین رشک اسقدر
ہے طبیعت مین وہ جتنا عورتونکی جاگزین

ایک شہزادی کہ اکلوتی تھی جو ماں باپ کی
تخت شاہی پر ہوئی بعد از پدر مسند نشین

سلطنت مین اُسکی تھا مردون کو کلی اختیار
عورتین صلاح دخیل اُسکی حکومت مین نہ تھین

مرد ہی تھے اسکے محرم مرد ہی اُسکے مشیر
تھا نہ عورت کا پتا دربار مین اسکے کہین

تخلیہ مین ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم
ہنسکے فرمایا کہ اے دولت کے ارکان رکین

مرد ہونے کے سبب تم سے نہین مانوس مین
بلکہ ہے انس اسلیے تم سے کہ تم عورت نہین

بات کی حسن بیان سے اُس نے دیدی یہ دلیل
تاکہ کوئی سوء ظن اسپر نہ کر بیٹھے کہین

ورنہ یون کہتی کہ ہے عورت کی سیرت سے مجھے
اس لیے نفرت کہ ہے مردونکی صورت دلنشین

قانون

کہتے ہین ہر فرد انسان پہ ہے فرض
ماننا قانون کا بعد از خدا

پر جو سچ پوچھو نہین قانون مین — جان کچھ مکڑی کے جالے سے سوا
اُسمین پھنس جاتے ہین جو کمزور ہین — اور ہلا سکتے نہین کچھ دست و پا
پر اُسے دیتے ہین توڑ اک آن مین — جو سکت رکھتے ہین ہاتھون مین ذرا
حق مین کمزورون کے ہے قانون وہ — اور نظر مین زورمندون کی ہے لا

شادی قبل از وقت بلوغ

جب تک نہ شاہزادہ اٹھارہ سال کا ہو — تخت پدر پہ اُسکو ممنوع ہے بٹھانا
قانون ہے بنایا یہ اُن مقننون نے — عالم مین آجکل جو مانے ہوے ہین دانا
لیکن کرین نہ اسکی قبل از بلوغ شادی — کہتے ہین وہ عبث ہے قانون یہ بنانا
نزدیک اُن کے گویا برغم عقل و دانش — ہے کنگڈم سے آسان میڈم کو بس مین لانا

حرص

اثناے وعظ مین ہے تکیہ کلام واعظ — قدر قلیل ہے یہ سب مال و منال دنیا
گویا کہ حرص اسکی اس سے کبھی نہین ہے — ہے جسقدر فراہم پاس اسکے مال دنیا

امرا اور عقلا

جاتے ہین اگر پاس امیرون کے خردمند — وہ جانتے ہین جو کہ ہے جانے کی ضرورت
پر اپنی ضرورت سے خبردار نہین ہین — ملتے عقلا سے نہین جو صاحب ثروت
بیمار کے محتاج ہین جتنے کہ اطبا — بیمار کو کچھ اس سے سوا ان کی ہے حاجت

عصمت بی بی از بے چادری

اے بینواؤ بنتے ہو کیا معصوم تم　　　اخلاق مین کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
تم زد سے نفس کی ہو بچی تا بچے ہوے　　　ہو جب تلک کہ پکڑے ہوے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہین منعم کے گرد و پیش　　　گر تمکو ہو نصیب تو دنیا کو دو اجاڑ

سچ کہان ہے

دیکھنے ہون تمھین گر جھوٹ کے انبار لگے　　　دیکھ لو جا کے خزانون مین کتبخانون کے
سچ کو تحریرون مین پاؤگے نہ تقریرون مین　　　سچ کہین ہو تو وہ سینون مین ہو انسانون کے

اپنا الزام دوسرون پر تھوپنا

کھوٹ کاریگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہو کام　　　اپنے اوزارون کو وہ الزام دیتا ہو سدا
افسرون کا بھی یہی شیوہ ہو وقت بازپرس　　　اپنے ماتحتون کے سر تھپتے ہین کل اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہین آ آکے جو لوگ　　　تمھاری ہر دم اے ارباب دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم　　　وہ گویا تم کو کرتے ہین ملامت
کہ جو تم مین بیان کین خصلتین نیک　　　نہین اُنمین سے تم مین ایک خصلت

تدبیر قیام سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح　　　وان پاؤن جمانے کے لیے تفرقہ ڈالو

اور عقل خلاف اُسکے تھی یہ مشورہ دیتی　　یہ حرف سُبک بھول کے مُنھ سے نہ نکالو
پیر رائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر　　مانو اُسے۔ اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہین جو کام وہ کرتے رہو لیکن　　جو بات سُبک ہو اُسے منھ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر　　مردون کی حکومت مین ہے ملکون کی بُری گت
لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہان راج　　وان ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہین جہان مرد جہاندار　　قبضہ مین ہے وان عورتون کے دولت و مکنت
اور سر پہ ہے عورت کے جہان افسر شاہی　　سمجھو کہ ہے اس ملک مین مردون کی حکومت

مغرور کی پہچان

غرور زید کی کرتا ہے گر شکایت عمرو　　تو سمجھو کرتا ہے اپنے غرور کا اظہار
جنھون نے آپ کو سب سے سمجھ لیا ہے بڑا　　بڑائی دیکھ نہین سکتے غیر کی زنہار

کام اچھا کرنا چاہیے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے　　اُس نے کی تاخیر اس نے جستہ اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھتا کوئی نہین　　بلکہ ہین یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا

گدائے مبرم

اک برہمن مورتی کے سامنے با صد نیاز　　مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دعا بیٹھا کہین
آن نکلا بانوا اک مانگتا کھاتا ادھر　　دیکھ محویت برہمن کی گیا بس جم وہین

جی میں آیا چھیڑ کر قائل برہمن کو کرے
تا کہ پوچھے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شرمگین

مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا
با نوا بولا کہ ہے تو بھی عجب کوتاہ بین

مورتی کچھ تجھکو دے گی اور نہ دے سکتی ہے وہ
ناحق اتنی التجائیں اُسکے آگے تو نے کین

ہنس کے برہمن نے کہا ہے مانگنا بندہ کا کام
دے نہ دے وہ، اس سے کچھ مطلب ہمیں اپنے نہیں

ہم نہیں دیتے دُھائی تم جیسے ڈھیٹوں کی طرح
ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پاؤں پھیلاتے نہیں

بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو
ذرا وصف اپنے سنو کان دھر کے

نہیں کام کا تمکو اندازہ ہرگز
جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس ادھر کے

جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت
تو چیخ اُٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے

جو مجرے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جبتک
کہ اُٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے

اگر پل پڑے چوسر اور گنجفہ پر
تو فرصت ملے شاید اب تمکو مر کے

پڑا چسکا بازی کا لپکا تو جانو
کہ بس کھل گئے عزم جنگ تتر کے

چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر
تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے

جو ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو
کہ چھوڑیں گے اب آپ دوزخ کو بھر کے

جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی
رہیں پاؤں کے ہوش جن میں نہ سر کے

جو کھانا تو بیحد جو پینا تو ان گت
غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے

طبیب اپنے بیماروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال
کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں [illegible] کبار

یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے
تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال فشار

یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول
جو چل بسے کوئی اُن کے علاج میں بیمار

وہ جانتے ہیں کہ چھپ جائے گی خطا ہم پر
گلہ ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی
پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا

ہوتا ہے اُس سے کار نمایاں کوئی اگر
کرتا ہے بار بار بیاں اسکو برملا

یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیے
ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اک جدا

پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اسکو یاد
یاروں سے میں بیاں ابھی کر چکا ہوں کیا

بھولے نہ اپنی یاد یہ انسان کو چاہیے
آخر بشر کا خاصہ ہے سہو و خطا

فضول خرچی کا انجام

سر پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گدا ظریف
جہاں سے ہو کے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر

ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش
سخی ہو یا ممسک، غریب ہو کہ امیر

فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولتمند
کہ جسکا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ نظیر

ہوا جو ایک دن اس راہ سے گذر اسکا
درم اک اُس نے بھی چاہا کہ کیجے نذر فقیر

کہا فقیر نے گو اپنی یہ نہیں عادت
کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شعیر

پہ لوں گا آپ سے میں پانچ کم سے کم دینار
کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال پذیر

یہی اللّلے تللّے رہے تو آپ کو بھی
ہماری طرح سے ہونا ہے ایک روز فقیر

سو وقت ہے یہی لینے کا خود بدولت سے
دکھائے دیکھیے پھر اسکے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

نہیں ممکن ہے کہ اُٹھ جائے دلیل و بحث سے
جو چلا آتا ہے باہم اہل مذہب میں خلاف

ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ وہ گھڑیوں کا وقت
رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف

انسان جو اشرف المخلوقات ہے سب سے زیادہ موردِ آفات ہے

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار
دو ہیں اُنمیں سے نہایت جانگزا

ایک فکر اُس آنے والے وقت کی
شک نہیں ہے جسکے آنے میں ذرا

دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی
زخم جن کا زخم ہے تلوار کا

اور بھی حیوانِ ناطق کے لیے
ہیں بہت سی زحمتیں انکے سوا

پر گدھے اور اور حیوانات سب
رہتے ہیں دورانِ گردوں سے سدا

کیسا ان آلام سے رہتا نچنت
اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا

چنڈو بازی کا انجام

ایک متولے سے چنڈو کے وہ تھا ہو شوقین جب
پوچھا ناصح نے کہ اس کام کا آخر انجام

بولا انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام

آنکھ میں اپنے پرائے کی ٹھہرنا بیقدر
شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام

جس سے عقبیٰ ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی ہیچ
جس سے دنیا میں ہو نام ایسا نہ کرنا کوئی کام

ہم پہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا
نفس سرکش کے مگر ہاتھ میں ہے اپنی نہ لگام

کہا ناصح نے کہ انجام ہو معلوم اگر
لے نہ اس زہر ہلاہل کا کوئی بھول کے نام

یہ تو کہتے ہو کہ انجام بُرا ہے لیکن
یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجام

بُرے انجام کی تب ہوگی حقیقت روشن
بُرے انجام سے جب آکے پڑے گا خود کام

مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم
گو کہ رکھتے ہیں یقین موت کا سب پختہ و خام

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریزون کا تھا یون نکتہ چین — پاس ان لوگون کو اپنی قوم کا ہے کس قدر

چاہتے ہین نفع سب پہنچے اپنے اہل ملک کو — گو کہ ان کے نفع مین ہو ایک عالم کا ضرر

کارخانہ کا یہ راجس کے کبھی چاکو نہ لین — اسکا ہو جو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر

خوردنی چیزین جہان سے لینی پڑتی ہین انھین — ان کو لندن سے منگائین بس چلے انکا اگر

الغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ — جانتے ہین دین و ایمان اپنا۔ قصہ مختصر

سن کے حالی نے کہا "ہے حصر انگریزون پہ کیا — ایک سے ہے ایک قوم اس عیب مین آلودہ تر

ہین محبت مین سب اندھے اپنی اپنی قوم کے — یہ وہ خصلت ہے کہ مجبول اس پہ ہے طبع بشر

مکھیان جیتی نگل جاتے ہین پاس قوم مین — اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر

ہان بری اس عیب سے دیکھے اس دنیا مین ہو — چشم بد دور اہل ہندستان کہ قوم اے جہان پدر

اور قومون سے انھین لوگون کو ہے یہ امتیاز — حملہ جب کرتے ہین یہ کرتے ہین اپنی قوم پر

ہوگا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یان — جسقدر ہے ان سے اپنون اور بیگانون کو خطر

غزلیات قدیم وجدید

چونکہ بہت سی ردیفیں قدیم غزلیات میں اور بہت سی جدید غزلیات میں نہیں تھیں۔ اسلیے ہر ایک ردیف میں دونوں قسم کی غزلیں ملا جلا کر لکھدی گئی ہیں۔ اور تمیز کے لیے ہر قدیم غزل کے شروع میں حاشیہ پر حرف ق لکھدیا گیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ کرسکیں کہ قدیم وجدید غزل میں کیا فرق ہے

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا — اک بندۂ نافرمان ہے حمد سرا تیرا
گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا — بندے سے مگر ہوگا حق کیونکہ ادا تیرا
محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم — کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا
جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی — کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

قطعہ
١ عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں — ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
٢ تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط اُن کو — جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا
٣ نشے میں وہ احسان کے سرشار ہیں اور بیخود — جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
٤ سمجھا ہے پرے تجکو ادراک کی سرحد سے — جس قوم نے رکھا ہے انکار روا تیرا
٥ طاعت میں ادب تیرا عصیاں میں ہے گو ظاہر — عصیاں میں ہے طاعت سے اقرار سوا تیرا

آفاق میں پھیلے گی کبتک نہ مہک تیری — گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا[1] تیرا

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گذرتا ہے
کچھ رنگ بیاں حالی ہے سب سے جدا تیرا

---

[1] یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف الا ان للہ نفحات فی الدھر الا فتعرضوا لہا یعنی خدا کی خوشبوئیں زمانہ میں پھیلی ہوئی ہیں سو ان کا آگاہ لو اور ان کو اوپر نہ جانے دو ١٢

کمال ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب جمال تیرا

کاوش میں ہے الٰہی دُگدا میں ہے طبیعی
جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا

چھوٹے ہوئے ہیں گو جی پر دل بندھے ہوئے ہیں
ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا

گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں
لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا

پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی
پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا

اُن کی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی
آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا

دل ہو کہ جان تجھ سے کیونکر عزیز رکھیے
دل ہے سو چیز تیری جان ہے سو مال تیرا

ہر پیر زال سے دل اُس کا قوی زیادہ
رکھتی ہے آسرا یاں جو پیر زال تیرا

ہے پاس دستوں کے تیری یہی نشانی
یارب کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالی یہ رنگ آشنائی
سن سن کے سر دھنیں گے قال اہل حال تیرا

رہ بڑھ میں دشت جنوں کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
نہ اِس سفر میں تکان دیکھی نہ اِس نشے میں خمار دیکھا

نہ جی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس ٹوٹے
رہے سدا نامراد جو یاں اُنھیں بھی امیدوار دیکھا

تجھ جہان سوز تیرا دیکھا نظارہ افسردہ جس چمن میں
نہ بلبل و گل میں واں تعلق نہ سرو قمری میں پیار دیکھا

سوادِ محمل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب میں دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط کچھ اُڑتا غبار دیکھا

جو لاکھ میں ایک پر کہیں کچھ کھلا بھی قسمت سے بھید تیرا

ملا نہ کھوج اس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا

الگ مین تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پر خطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

بچے ہوئے کاہشون سے یان کی وہی ہین جو تیری ہو رہے ہین
وگرنہ زخمون سے حادثون کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا

چمن مین بھولے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے
گل ان کی نظرون مین چبھتے دیکھا کھٹکتے آنکھون مین خار دیکھا

خبر نہین یہ کہ کیا ہے کیسا ہے کون ہے اور تو کہان ہے
پہ اپنے مین اور تجھ مین ہم نے علاقہ اک استوار دیکھا

سلوک ہین تیرے سب سے یکسان وہ گبر و ترسا ہون یا مسلمان
نہ ان سے کچھ تیرا بیر پایا نہ ان سے کچھ تیرا پیار دیکھا

سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیے ہاتھ باندھ سب کے
جنھین تھا یان اختیار سب کچھ انھین بھی بے اختیار دیکھا

بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
ہمیشہ بیکار تجھکو پایا کبھی نہ سرگرم کار دیکھا

پردہ ہو لاکھ گینۂ خورشید کا	چھپتا نہین جلال تمھارے شہید کا
مضمون ہر نقش دل مین لدنیا مزید کا	کونین سے بھریگا نہ دامن امید کا
قفل در مراد سب اکبار کھل گئے	چھوڑا جب آرزو نے بھروسا کلید کا
دیکھا ہے ہمنے عالم رحمت کو غور سے	ہر شش جہت مین تختہ دل ناامید کا
شرم کرم کی ہے یہی گر پردہ دار یان	انجام ایک ہوگا شقی و سعید کا
ہمنوان جذبۂ توفیق درمیان	یان امتیاز کیا ہو قریب و بعید کا

ہے آسمان پہ تیرے جگر خوار کا دماغ
خونِ جگر میں نشہ ہے جامِ نبید کا

تسکین نہیں مشاہدہ گاہ گاہ سے
یا رب یہ روزہ دار ہے مشتاق عید کا

دوزخ ہے گر وسیع تو رحمت وسیع تر
لا تقنطوا جواب ہے ہل من مزید کا

حالی کی ہیں اگرچہ ہی شیوا بیانیاں
لیکن نہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

نعت

یا اولی الصفات یا بشر تیا التوریہ
فیک دلیل علی انک خیر الورے

تجھ سے عیان ہوئی رشد خلق جیسے کیا ان حساب
خلق تک حسب از بان بھٹک گیا الورے

دیکھ یہ روشن ترا ثانی سب پہ بیت
صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گواہ

قال ترا و حال بشر وحدت میں چور
اوڑھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا

غیب سے بھیجا تجھے ٹاپا پھرتا تھا جب
دشت میں بھٹکا ہوا قافلہ بے رہنما

اُٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت
جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اُٹھے گھٹا

شان رسالت کی تھی تیری جبین سے عیان
گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جدا

گلہ بھی سعد کا جب کہ چرایا کرتا تو
گلہ آدم تجھے سونپ چکی تھی قضا

دوڑ پڑے سو سے حق کاٹ کے سب تیرا پاس
اُنہوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا

راہب نے قیس و جبر رہ گئے دل تھام کر
دیکھ کے تیرا قدم ہم قدم انبیا

خاک تھی جس ملک کی مزرع شر و فساد
تو نے اُسی کو دیا ارض مقدس بنا

تو نے تحمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا

چھوڑ گئے تھے رسالت کا ہم اونٹ پہ بیت
تو نے کیا دام دام قرض سبحان کا ادا

تو نے کیا سر حق عارف و عامی پہ فاش
ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا

چوٹ سے حق کی رہا دل نہ اکیلا کوئی
ایک کے جگر کا لگا ایک کو گھائل کیا

محبت حق کر چکا دین ترا جب تمام | پھر نہ کسی دین کا رنگ جہان مین جما
دیر[1] ہوے بے چراغ اور صلوات یہود | شرک ہوا مضمحل اور کہانت ہبا
بجھ گئے آتشکدے بیٹھ گئے بتکدے | ہو گئی تثلیث مات اور ثنویت[2] فنا
اُٹھے بہت مدعی جیسے کہ ساون مین گھانس | مزبلہ پر چند روز باقی ہے نشو و نما
غیرت حق نے مگر جلد لیا انتقام | مل گئے اُٹھ اُٹھ کے سب خاک مین اہل ہوا
رہ گیا نام سجاح[3] کذب مین ضرب المثل | اسود و ابن کثیر خوار ہوے بر ملا
سلسلۂ انبیا ختم نہ ہوتا - اگر | حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا اُٹھا
آتے ہی چشمہ دیا تو نے کنوئین سے نکال | جسکو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیا
بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل مین کچھ | بھیج چکا تیرے ہاتھ ملت بیضا خدا

تجھ پہ صلوٰۃ و سلام رب سمٰوات سے
روز و شب و صبح و شام قدر بال و جہے

اے عشق تو نے اکثر قومون کو کھا کے چھوڑا | جس گھر سے سر اُٹھایا اسکو بٹھا کے چھوڑا
ابرار تجھ سے ترسان احرار تجھ سے لرزان | جو زد پہ تیری آیا اسکو گرا کے چھوڑا
راؤن کے راج چھینے شاہون کے تاج چھینے | گردن کشون کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
کیا منعمون کی دولت کیا زاہدون کا تقوے | جو گنج تو نے تاکا اُسکو لٹا کے چھوڑا
جس رہگذر مین بیٹھا تو غول راہ بن کر | صنعان سے راست رو کو رستہ بھلا کے چھوڑا
فرہاد کوہکن کی لی تو نے جان شیرین | اور قیس عامری کو مجنون بنا کے چھوڑا

---

[1] دیر، راہبون کا کلیسا۔ صلوات - یہودیون کا کلیسا۔ ہبا، غبار، ناچیز ۱۲ [2] مجوسی جو دو خدا ایک خالق خیر اور ایک خالق شر یعنی یزدان اور اہرمن کو مانتے ہین اس عقیدہ کو ثنویت کہتے ہین ۱۲ [3] سجاح ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب مین ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہین اکذب من سجاح اور اسود عنسی اور مسیلمہ جسکی کنیت ابن کثیر ہے یہ دونون مدعی نبوت تھے جو آخر کار قتل کیے گئے ۱۲

یعقوب سے بشر کو دی تو نے ناصبوری
یوسف سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونو ہین دلگداز تیرے
پتھر کے دل تھے جن کے انکو رُلا کے چھوڑا

عقل و خرد نے تجھسے کچھ چپلقش جہان کی
عقل و خرد کا تو نے خاکا اُڑا کے چھوڑا

علم و ادب رہے ہین قبلے ترے ہمیشہ
ہر معرکہ مین تو نے اُن کو دلا[۱] کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگین روداد تیری دلکش
شعر و سخن کا تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید تجھ ہم سے نہ تو کنارا
تیرا ہی رہ گیا ہے لے دیکے اک سہارا

یون بے سبب زمانہ پھرتا نہین کسی سے
اے آسمان کچھ اسمین تیرا بھی ہے اشارا

~~جہان کی [illegible]~~

اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے
اے زاہدو تمھارا اسمین کیا اجارا

دنیا کے خرخشون سے چیخ اُٹھے تھے ہم اول
آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گیا گوارا

توفیق نے ہمیشہ لی تب خبر ہماری
جب ناؤ ڈگمگائی پاس آ گیا کنارا

انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے
جتنے ہنر تھے اپنے عالم مین آشکارا

افسوس اہل دین بھی مانند اہل دنیا
خود کام و خود نما ہین خود بین ہین اور خود آرا

امت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر
اسلام ہے فقیہو ممنون بہت تمھارا

کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چین ہوئے چپ
سب کچھ کہا اُنھون نے پر ہم نے دم نہ مارا

حالی سے کام ہے یان فعلون سے اسکے کیا کام
اچھا ہے یا برا ہے پھر یار ہے ہمارا

رونا نہو گا حالی شاید یہ کم تمھارا
جب دیکھو آنسوؤن سے دامن ہے نم تمھارا

[۱] دلانا۔ کشتی دلانا۔ یعنی پچھاڑنا۔ اکثر کشتی کا لفظ حذف کر کے صرف دلانا بولتے ہین۔ ۱۲

کلفت مین دم بدم کچھ لذت ہے بڑھتی جاتی | چھوڑے گا کچھ دکھا کے شاید عاشق کو غم تمھارا
عاقل ہین شہر مین کم نادان بہت ہین واعظ | ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہین دم تمھارا
دلجو نہین کوئی یان جیتا ہی صنم پرستو | دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصنم تمھارا
گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ پاؤ گے تم | اپنی نظر مین ہوگا گر وزن کم تمھارا
دشت طلب کے رستے طے ہو گئے کس طرح تم | آتا نہین سمجھ مین کچھ پیچ و خم تمھارا
دو بینواؤن کو بھی کچھ جس سے کیجا نشینو | بس جام جم ہمارا اور ملک جم تمھارا
روسی ہون یا تتاری ہمکو ستائین گے کیا | دیکھا ہے ہم نے برسون لطف و کرم تمھارا
کھولی ہین تمنے آنکھین ایجاد تو ہماری | احسان یہ نہ ہرگز بھولین گے ہم تمھارا
ہوتے ہی تم تو بیدل کچھ رہ دیے سوارو | ہے لاکھ لاکھ من کا ایک ایک قدم تمھارا
رستے مین ہے اگر نہ ٹھہرے تو تم بھی رہ جاؤ گے | گذرا ابھی ہے یان سے خیل و حشم تمھارا
پھرتے ادھر ادھر ہو کس کی تلاش مین تم | گم ہے تمھین مین یارو باغ ارم تمھارا

جادو رقم تو ہاین ہم دل سے تم کو حالی
کچھ کر کے بھی دکھائے زور قلم تمھارا

وہ دل ہے شگفتہ نہ وہ بازو ہین توانا | پہونچا ہے نہین اب کہ کوچ کا تم سمجھو زمانا
خوش ہو کے وطن سے ہو وداع اب کے سفر مین | جانا ہو وہان پھر کے جہان سے نہین آنا
دلّی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر | گویا نہ رہا اب کہین دنیا مین ٹھکانا
یارب طلب وصل ہو یا ہو طرب وصل | جس دن کہ ہو دل نو ہو نہ وہ دن نہ دکھانا
دنیا کی حقیقت نہین جز حسرت و حرمان | چھل بل مین تم اس زال فسونگر کی نہ آنا
افسوس کہ غفلت مین کٹا عہد جوانی | تھا آپ اپنا گھر مین مگر ہم نے نہ جانا
یارون کو نہین دیکھ کے عبرت نہین ہوتی | اب واقعہ سب پہ پڑا ہے ہم کو ستانا
دنیا مین اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن | وہ دن ہے کہ [illegible] جانا

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانا

ڈھارس سی کچھ اے ہمقدمو تم سے بندھی ہو

حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہان میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجیے گا

یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی نہ جاننا اُس کو غیر ہرگز

جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُس کو تصور اپنا نہ کیجیے گا

سُنا ہے صوفی کا قول ہو یہ کہ ہے طریقت میں کفر دعوی

یہ کہدو دعوی بہت بڑا ہے پھر ایسا دعوی نہ کیجیے گا

اسی میں ہے خیر حضرت دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہمکو

کرے وہ یاد اُس کی بھول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجیے گا

کہے اگر کوئی تمکو واعظ کہ کہتے کچھ اور کرتے ہو کچھ

زمانہ کی خو ہے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجیے گا

کمال ہے ضد بے کمالی نہیں ملاپ ان میں حرف گیرا

جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجیے گا تو آپ بیجا نہ کیجیے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ درد اُلفت کی آگ زاہد

پھر اور کیا کیجیے گا آخر جو ترک دنیا نہ کیجیے گا

تمہارا اچھا دوستدار حالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو

سلوک اُس سے کیے جو تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجیے گا

ہو عزم دیر شاید کعبہ سے پھر کر اپنا آتا ہے دور ہی سے ہمکو نظر گھر اپنا

قید خرد میں رہتے آتے نہیں نظر ہم وحشت رہیگی دل کی کھلتا جو ہر اپنا

پیرِ مغان سے ہو کر تب سرخرو ملینگے
فضل و ہنر کا ہوگا جب چاک محضر اپنا

بیگانہ وش ہر گروہ تو ہیں ہمارے ڈھب کا
ایسون ہی سے نبھا ہے یارانہ اکثر اپنا

عصمت اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی
کر بیٹھے اپنے ہاتھون ہم چاک محضر اپنا

کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذبِ حق نما ہے
یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

غیرون کو لینگے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
اپنون ہی سے ہے حالی کچھ دل لگنا اپنا

معنے کا تم نے حالی دریا اگر بہایا
یہ تو بتائیں حضرت کچھ کر کے بھی دکھایا

اے بانگِ طبلِ شاہی دن ہو گیا جب آخر
خوابِ گران سے تو نے ناحق ہمین جگایا

تھا ہوش یادِ گل کا دورِ خزان مین کس کو
اے عندلیبِ نالان یہ تو نے گل کھلایا

ویران ہے باغ تسپر بھولی نہین سماتی
مژدہ صبا نے یا رب بلبل کو کیا سنایا

اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دین کا
گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنایا

ڈرتے رہین گے اب ہم بیجرم بھی سزا سے
احسان اس کا جس نے ناحق ہمین ستایا

واعظ کی حجتون سے قائل تو ہو گئے ہم
کوئی جواب شافی پر اس سے بن نہ آیا

آیا نہ تھا کبھی یان گویا قدم خزان کا
دو دن مین یون پلٹ دی کس نے چمن کی کایا

تقلیدِ قوم ہی پر گر ہے مدارِ تحسین
تو ہمنے دوستون کی تحسین سے ہاتھ اٹھایا

دیکھا تو کچھ نظر مین حالی جچا نہ اپنی
جو جو گمان تھے ہمکو انکا نشان نہ پایا

نفس دعوی بیگناہی کا سدا کرتا رہا
گرچہ اُترے جی سے دل انکار کرتا رہا

حق نے احسان مین نہ کی اور ہمنے کفران مین کمی
وہ عطا کرتا رہا اور مین خطا کرتا رہا

چوریون سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی
چپکے چپکے نفسِ خائن کا کہا کرتا رہا

طاعتون کی تہ سے بچ بچ کر چلا راہِ خطا
وار اُن کا اس لیے اکثر خطا کرتا رہا

نفس مین جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی — اُس کو حیلے دل سے گھڑ گھڑ کر روا کرتا رہا
منھ نہ دیکھین دوست پھر میرا اگر جانین کہ مین — اُن سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
تھا نہ استحقاق تحسین پر سنی تحسین سدا — حق ہے جو دن ہستی کا وہ ادا کرتا رہا
شہرت اپنی جسقدر بڑھتی گئی آفاق مین — کبرِ نفس اتنا ہی یان نشو و نما کرتا رہا

ایک عالم سے وفا کی تو نے اے حالی مگر
نفس پر اپنے سدا ظلم جفا کرتا رہا

کہین الہام منوانا پڑے گا ۱ کہین کشف اپنا جتلانا پڑے گا
نہ ہو صوفی صفا گو تجھ مین لیکن ۲ کرشمہ کوئی دکھلانا پڑے گا
نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو درد — یہ گر ناصح کو بتلانا پڑے گا
جنھین ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا — اُنھین سچون کو جھٹلانا پڑے گا
عوام الناس کا ہو گا جنھین منھ — اُنھین خاصون پہ منھ آنا پڑے گا
رہے وصفِ بتان کی مشق واعظ — تمھین بچون کو پھسلانا پڑے گا
سخن مین پیروی کی گر سلف کی — اُنھین باتون کو دہرانا پڑے گا

قطعہ
تعلق کا ہے پھندا پیچ در پیچ ۱ یہ عقدہ ہم کو سلجھانا پڑے گا
بہت یان ٹھوکرین کھائی ہین ہم نے ۲ بس اب دنیا کو ٹھکرانا پڑے گا
نہین بُو انس کی اس غمکدے مین ۳ کہین دل جا کے بہلانا پڑے گا
دل اب صحبت سے کوسون بھاگتا ہے ۴ ہمین یارون سے سٹانا پڑے گا
زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو پچھتانا پڑے گا
جو منصوبے ہین یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ فسخ فرمانا پڑے گا

بشر پہلو مین دل رکھتا ہے جب تک
اُسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہمین اپنے رونا پڑے گا — یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا

عزیزو کہان تک یہ آتش مزاجی — تمھین جلد تر خاک ہونا پڑے گا

رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی — بس اب دل سے شکوون کو دھونا پڑے گا

بن آئے گی ہرگز نہ یان کچھ کیے بن — جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا

ہوے تم نہ سیدھے جوانی مین حالی
مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تلک اے ابر کرم ترسائے گا — بیٹھ بھی رحمت کا کبھی برسائے گا

پھل کچھ اے نخل وفا تجھ مین نہین — جو لگائے گا تجھے پچھتائے گا

دوست کا آیا ہے سمجھو اب پیام — آج اگر آیا نہین کل آئے گا

ذوق سب جاتے رہے جز ذوق درد — اک یہ لپکا دیکھیے کب جائے گا

قطعہ

۱ واعظ آتا ہے تو آنے دو اُسے — پر مزا آنے کا یان کیا پائے گا

۲ آئے گا اور ہم کو شرمائے گا مُفت — اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا

۳ عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم — ہم پہ مُنھ آئے گا مُنھ کی کھائے گا

دل کے تیور ہی کہے دیتے تھے صاف — رنگ یہ دیوانہ اک دن لائے گا

باغ و صحرا مین ہے جو تنگ دل — جی قفس مین اُس کا کیا گھبرائے گا

قطعہ

۱ رنگ گردون کا ہے کچھ بدلا ہوا — شعبدہ تازہ کوئی دکھلائے گا

۲ ابر و برق آئے ہین فسون ساتھ ساتھ — دیکھیے برسے[۱] گا یا برسائے گا

مشکلون کی جسکو ہے حالی خبر
مشکلین آسان وہی فرمائے گا

وان اگر جائین تو لیکر جائین کیا — مُنھ اُسے ہم جا کے یہ دکھلائین کیا

---

۱ برسنا۔ غصہ ظاہر کرنا ۱۲

دل میں باقی ہے وہی حرص گناہ
پھر کیے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا

آؤ اُس کو لیں ہمیں جاکر منا
اُس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا

دل کو مسجد سے نہ مندر سے ہے اُنس
ایسے وحشی کو کہیں بہلائیں کیا

جانتا دنیا کو ہے اک کھیل تو
کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا

عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی
مرحلے اب دیکھیے پیش آئیں کیا

دل کو سب باتوں کی ہے ناصح خبر
سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا

مان لیجے شیخ جو دعویٰ کرے
اک بزرگ دیں کو ہم جھٹلائیں کیا

ہو چکے حالی غزلخوانی کے دن
راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
اک چراغ اور سر راہ جلایا جاتا

کر دیا اُس نے تو امید سے غافل ناصح!
اس کو کیوں بھولتے گر اس کو بھلایا جاتا

چپ چپاتے اُسے دے آئے دل اک بات پہ ہم
مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا

شب کو زاہد سے نہ مڈبھیڑ ہوئی خوب ہوا
نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا

دل کو یہ تو نے دُکھایا ہے کہ دُکھ جاتا ہے
چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا

نامہ بر آج بھی خط لیکے نہ آیا یارو
تم تو کہتے ہو کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا

عشق اُس وقت سے سر پر ترے منڈلاتا تھا
گودیوں میں تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا

لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وہ
اُس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا

بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اے دنیا
ہم سے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا

کرتے کیا پیتے اگر مے نہ عشا سے تا صبح
وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوایا جاتا

دل نہ طاعت میں لگا جب تو لگایا غم عشق
کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا

اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
بھڑک اُٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالی
کہتے پہلے سے تو دے لیکے ہٹایا جاتا

راحت کا جہاں میں کچھ نہیں اک نام ہے گویا راحت کی تلاش اک طمع خام ہے گویا
کچھ کرتے ہیں جو بات وہی انگشت نما ہیں بدنام ہی دنیا میں نکو نام ہے گویا
ناچیز ہیں وہ کام نہیں جن پہ کچھ الزام جو کام ہیں اُن کا یہی انعام ہے گویا
ہے وقت رحیل اور وہی عشرت کے ہیں ساماں آخر ہوئی رات اور ابھی یاں شام ہے گویا
اٹھتا تھا کچھ اول ہی سے یہ درد بُری طرح آغاز ہی الفت کا بس انجام ہے گویا
ادبار بھی دیکھو گے جہاں پاؤ گے اسلام اسلام کا ادبار بھی اک نام ہے گویا

جب دیکھئے حالی کو پڑا پایئے بیکار
کرنا اُسے باقی یہی اک کام ہے گویا

ق خلوت میں تری صوفی گر نور صفا ہوتا تو سب میں ملا رہتا اور سب سے جدا ہوتا
تھا آفت جاں اسکا انداز کماں داری ہم بچکے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا
پاتا اپنی حقیقت کی گر تجھکو خبر ہوتی میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا
یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ تماشا قاصد ان پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا
باتوں میں شکایت کی بو آتی ہو الفت کی گر دل میں جگہ ہوتی تب بھی گلا ہوتا
ہم روز وداع اُس سے ہنس ہنس کے ہوئے رخصت رونا تھا بہت ہم کو روتے بھی تو کیا ہوتا
گر پاس صبر دل ہوتے سن کر مری بیتابی تم کو بھی تعلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا
جو دل پہ گذرتی ہے کیا تجھکو خبر ناصح کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا
جو جان سے در گذرے چاہیئے سو گذرے گر آج نہ تم آتے کیا جانیے کیا ہوتا
کل حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ سُننے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا

پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا — تھا حسن میزبان کوئی مہمان نہ تھا ق
ہم کو بہار مین بھی سر گلستان نہ تھا — یعنی خزان سے پہلے ہی دل شادمان نہ تھا
ملتے ہی اُن کے بھول گئین کلفتین تمام — گویا ہمارے سر پہ کبھی آسمان نہ تھا
کیا جانتے تھے جائیگا جی اک نگاہ مین — تھی دل کی احتیاط مگر بیم جان نہ تھا
سچ ہے کہ پاس خاطر نازک عذاب ہے — تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہربان نہ تھا
کچھ میری بیخودی سے تمھارا زیان نہین — تم جانتا کہ بزم مین اک خستہ جان نہ تھا
رات اُن کو بات بات پہ سو سو دیے جواب — مجکو خود اپنی ذات سے ایسا گمان نہ تھا
رونا ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یان — طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گران نہ تھا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دلمین چبھ گئی — مانا کہ اُسکے ہاتھ مین تیر و سنان نہ تھا

بزم سخن مین جی نہ لگا اپنا زینہار
شب انجمن مین حالی جادو بیان نہ تھا

رنج اور رنج بھی تنہائی کا — وقت پہنچا مری رسوائی کا ق
عمر شاید نہ کرے آج وفا — کاٹنا ہے شب تنہائی کا
تم نے کیون وصل مین پہلو بدلا — کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا
ایک دن راہ پہ جا پہنچے ہم — شوق تھا بادیہ پیمائی کا
اُس سے نادان ہی بن کر ملیے — کچھ اجارہ نہین دانائی کا
سات پردون مین نہین ٹھہرتی آنکھ — حوصلہ کیا ہے تماشائی کا
درمیان پائے نظر ہے جب تک — ہم کو دعویٰ نہین بینائی کا
کچھ تو ہے قدر تماشائی کی — ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
اُسکو چھوڑا تو ہے لیکن اے دل — مجکو ڈر ہے تری خودرائی کا
بزم دشمن [illegible] سے اترا — پوچھنا کیا تری زیبائی کا

یہی انجام تھا اے فصلِ خزاں — گل و بلبل کی شناسائی کا
مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں — ہو چکا کام توانائی کا
محتسب عذر بہت ہیں لیکن — اذن ہم کو نہیں گویائی کا

ہوں گے حالی سے بہت آوارہ
گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

ق اغماض چلتے وقت مروّت سے دور تھا — رو رو کے ہم کو اور رُلانا ضرور تھا
تھی ہر نظر نہ محرمِ دیدار ورنہ یاں — ہر خار نخلِ ایمن و ہر سنگ طور تھا
درد آ کے لب پہ رازِ دل آیا نہ تھا ہنوز — چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا
جانی نہ قدرِ رحمتِ حق پارسا نے کچھ — ٹھہرا قصوروار اگر بے قصور تھا
دُردی کشانِ بزمِ مُغاں کا نہ پوچھ حال — ایک ایک رندِ نشۂ وحدت میں چور تھا
اب باریابِ انجمنِ عام بھی نہیں — وہ دل کہ خاص محرمِ بزمِ حضور تھا
روزِ وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا — کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا
بیمار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر — بہرِ نمازِ نعش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادماں
تھا حوصلہ اسی کا کہ اتنا صبور تھا

ق دل سے خیالِ دوست بھلایا نہ جائیگا — سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائے گا
تم کو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط — الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا
اے دل رضائے غیر ہے شرطِ رضائے دوست — زنہار بارِ عشق اُٹھایا نہ جائے گا
دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں — اب ہم سے مُنہ میں موت کے جایا نہ جائے گا
مے تُند و ظرفِ حوصلۂ اہلِ بزم تنگ — ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا
راضی ہیں ہم کہ دوست سے ہو دشمنی مگر — دشمن کو ہم سے دوست بنایا نہ جائے گا

کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے
پوچھیں گے ہم سبب تو بتا یا نہ جائے گا

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا

ملتا ہے آپ سے تو نہیں حصر غیر پر
کس کس سے اختلاط بڑھایا نہ جائے گا

مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر
یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں جو پایا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہل دیں کے نہ حالی پڑیں بس آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

ق
قلق اور دل میں سوا ہو گیا
دلاسا تمہارا بلا ہو گیا

دکھانا پڑے گا مجھے زخم دل
اگر تیر اس کا خطا ہو گیا

سبب ہو بہ لب پہ آنا نہ خود
مرا شکر اس کا گلہ ہو گیا

وہ امید کیا جسکی ہو انتہا
وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا

ہوا رکتے رکتے دم آخر فنا
مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا

نہیں بھولتا اسکی رخصت کا وقت
وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد
ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا

سمجھتے تھے جس غم کو ہم جانگزا
وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا

نہ شکوہ ہے میری امید کا ہوا سب
رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعار حالی سے حال
کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

ق
سنگ گراں ہو یا ہو بلا کہیں یار کا
اب دیکھنا ہے زور دل بے قرار کا

اک خوشی ہو گئی ہے غم دل کی دوا اب
وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و قرار کا

آنکھ اٹھا کے بھی وہ خلش آرزو سے قتل
کیا اعتبار زندگی مستعار کا

ہم خوش تھے کہ ہنسی ہوئی آخر تم نا گوار ہو
ملتا نہیں محل گلہ روزگار کا

تجھ کو مجھے اگر غنیمت ہو آدمی کی قدر   میرا اک التفات نہ مرنا ہزار کا
گر صبح تک وفا نہ ہوا وعدۂ وصال   سن لیں گے وہ مآل شب انتظار کا
اب بوئے گل پہ ہوا کب دل حزیں   ہم کو چمن سے یاد ہے جانا بہار کا
ہر سمت گرد ناقۂ لیلیٰ بلند ہے   پہونچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا
غربت کے شغل نے وطن کو بھلا دیا   خانہ خراب ہو الفت شعار کا

حالی بس اب یقین ہو کوئی کے ہو چکے
ہے ذرہ ذرہ مہر فزا اس دیار کا

ب

درد دل کو دوا سے کیا مطلب   کیمیا کو طلا سے کیا مطلب
چشمۂ زندگی ہے ذکر جمیل   خضر و آب بقا سے کیا مطلب
بادشاہی ہے نفس کی تسخیر   ظل بال ہما سے کیا مطلب
جو کرینگے بھرینگے خود واعظ   تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جنکے معبود حور و غلماں ہیں   ان کو زاہد خدا سے کیا مطلب
کام ہے مردمی سے انساں کی   قطعہ ۱   زہد یا اتقا سے کیا مطلب
ہے اگر رند دامن آلودہ   ۲   ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب
صوفی شہر باصفا ہے اگر   ۳   ہو ہماری بلا سے کیا مطلب

نکہت مے پہ غش ہیں جو حالی   ۴
ان کو درد و صفا سے کیا مطلب

مجھ میں وہ تاب ضبط شکایت کہاں ہے اب   چھیڑو نہ تم کہ میرے بھی منہ میں زباں ہے اب
وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبط راز تھا   چہرے سے اپنے شورش پنہاں عیاں ہے اب
جس دل کو قید ہستی دنیا سے تنگ تھا   وہ دل اسیر حلقۂ زلف بتاں ہے اب

آنے لگا حیا سے اسکی تمنا مین کچھ مزا | کہتے ہین لوگ جان کا اسمین زیان ہے اب
لغزش ہو بلا ہے حسودون کا التفات | اے دل سنبھل وہ دشمن جان مہربان ہے اب
اک جرعۂ شراب نے سب کچھ بھلا دیا | ہم ہین اور آستانۂ پیر مغان ہے اب
ہے وقت نزع اور وہ آیا نہین ہنوز | ہان جذب دل مدد کہ یہی امتحان ہے اب
ہے دل غم جہان سے سبکدوش اندنون | سر پر پڑا سو جھتا کوئی بار گران ہے اب

حالی تم اور ملازمت پیر مے فروش
وہ علم و دین کدھر ہے وہ تقوی کہان ہے اب

پ

یہ ہین واعظ سب تجھ آتے ہین آپ | ناصح قوم اسپہ کہلاتے ہین آپ
بس بہت طعن و ملامت کر چکے | کیون زبان ناحق کی کھلاتے ہین آپ
ہے صراحی مین وہی لذت کہ جو | چھوٹ کے منبر پہ فرماتے ہین آپ
واعظو ہے اُن کو شرمانا گناہ ۱ | جو کسے نبی ثنا لاتے ہین آپ
کرتے ہین اک اک کی تکفیر آپ کیون ۲ | اسپہ بھی کچھ غور فرماتے ہین آپ
کرتے ہین آباد دوزخ کو حضور | خلد کو ویران کرواتے ہین آپ

چھیڑ کر واعظ کو حالی خلد سے
سیر کیون اپنا گنواتے ہین آپ

ت

گو جوانی مین تھی کج رائی بہت | پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت
زیر برقع تو نے کیا دکھلا دیا | جمع ہین ہر سو تماشائی بہت
ہٹ پہ اُسکی اور پس جاتے ہین دل | راس ہے کچھ اس کو خود رائی بہت
سرو یا گل آنکھ مین جچتے نہین | دل پہ ہے نقش اسکی رعنائی بہت

چور تھا زخموں میں اور کہتا تھا جگر
راحت اس تکلیف میں پائی بہت

آ رہی ہے چاہ یوسف سے صدا
دوستو یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے
مینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

جاں نثاری پر وہ بول اٹھے مری
ہیں فدائی کم تماشائی بہت

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

کر دیا چپ واقعات دہر نے
تھی کبھی ہم میں بھی گویائی بہت

گھٹ گئیں خود تلخیاں ایام کی
یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

اس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

کس سے پیمان وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گل تر کی صورت

ہے غم روز جدائی نہ نشاط شب وصل
ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

دیکھیے شیخ مصور سے کھچے یا نہ کھچے
صورت اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

واعظو آتش دوزخ سے جہاں کو تم نے
یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

کیا خبر زاہد قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص
اس نے دیکھی ہی نہیں کیسۂ زر کی صورت

میں بچا تیر حوادث سے نشانہ بن کر
آڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت

شوق میں اس کے مزا درد میں اس کے لذت
ناصحو اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

حملہ اپنے پہ بھی اک بعد ہزیمت ہے ضرور
رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت

رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسان خطا
راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار
پر ڈراتی ہے بہت آج بھنور کی صورت

انکو حالی بھی بلاتے ہین گھر اپنے مہمان
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بتاتے ہین وہ مہربانی کی صورت — پہ چھپتی نہین سرگرانی کی صورت
جسے دیکھکر دل ہو عاشق کا بیکل — وہ ہو اور ہی مہربانی کی صورت
شب وعدہ ہو بار عام انکے در پر — مرے حق مین اک پاسبانی کی صورت
غم دل نے رسوا کیا ہم کو آخر — بنائی بہت شادمانی کی صورت
ہو اس کشمکش پر وہم کیا خوب کھلتا — ذرا دیکھنا شیخ فانی کی صورت
یقین ہے کہ ہم جسکو سمجھے ہین مرنا — یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت ق
سمجھکر کرو قتل حالی کو دیکھو
شاہد عشق و جوانی کی صورت

ط

تو نہین ہوتا تو رہتا ہے اچاٹ — دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ
بیچ رہی ہے کال مین اپنی بہنی — اور مفتی لے گئی بیچے ہین ٹھاٹ
ناؤ ہے بوسیدہ اور موجین ہین سخت — اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ
اک کہانی پیرزن کی رہگئی — راج کسرے کا رہا باقی نہ پاٹ
دیر سے مسجد مین ہم آئے تو ہین — ہے گریبان جی کھلے زاہد لپاٹ
جو کہے تجکو بنا دین اے امیر — ہین بہت سرکار کی محفل مین بھاٹ
ملتین رستون کے ہین سب ہیر پھیر — سب جہازون کا ہے لنگر ایک گھاٹ
برق منڈلاتی ہے اب کس چیز پر — ٹڈیان کب کی گئین کھیتی کو چاٹ
تیغ مین تیزی پہلے سے حالی نہین — جسقدر تیری زبان کرتی ہے کاٹ
چٹکیان سی دلمین لیتا ہے کون — شعر تو ظاہر مین ہین تیرے سپاٹ

ث

باپ کا ہے جبھی پسر وارث
ہو ہنر کا بھی اُسکے گر وارث

گھر ہنرور کا نا خلف نے لیا
تیرا ہے کون اے ہنر وارث

فاتحہ ہو کہاں سے میت کی
لے گئے ڈھو کے سیم و زر وارث

ہوں اگر ذوق کسب سے آگاہ
کریں میراث سے حذر وارث

خاک کرباں گور و خویش تبار
ایک میت اور اسقدر وارث

واعظو دین کا خدا حافظ
انبیا کے ہو تم اگر وارث

قوم بے پر ہے دین بیکس ہے
گئے اسلام کے کدھر وارث

ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے حریف
جیسے مردہ کے مال پر وارث

ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
کیوں ہیں میت پہ نوحہ گر وارث

بھید واعظ اپنا کھلوایا عبث
دل جلوں کو تو نے گرمایا عبث

جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی
رات بھر یاروں کو ترسایا عبث

شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز
سب کو الزام تو نے ٹھہرایا عبث

کوئی پنچھی آ کے اب پھنستا نہیں
آپ نے جال اپنا پھیلایا عبث

آ نکلتے تھے کبھی مسجد میں ہم
تو نے زاہد ہم کو شرمایا عبث

کھیتیاں جلکر ہوئیں بارود کی خاک
ابر ہے گھر کر ادھر آیا عبث

قوم کا حالی پنپنا ہے محال
تم نے رو رو سب کو رلوایا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج
بول کر ہم نے منہ کی کھائی آج

چپ پر اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ
بات بگڑی بنی بنائی آج

شکوہ کرنے کی خو نہ تھی اپنی　　پر طبیعت ہی کچھ بھر آئی آج
بزم ساقی نے دی الٹ ساری　　خوب بھر بھر کے خم لنڈھائی آج
مصیبت پر ہے بہت دیر سے یارب　　قطعہ ۱　نفس اور شرع میں لڑائی آج
غالب آتا ہے نفس دوں یا شرع　　۲　دیکھنی ہے تری خدائی آج
چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو　　نیند پھر رات بھر نہ آئی آج
کل یہاں کاروبار ہیں سب بند　　کرلو کرنی ہے جو کمائی آج

زد سے الفت کی بچ کے چلنا تھا
مفت حالی نے چوٹ کھائی آج

تلخی دوراں کے ہیں سب شکوہ سنج　　یہ بھی ہے یارو کوئی رنجوں میں رنج
رنج و شادی یاں ہیں سب بے ثبات　　اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج
تھا قناعت میں نہاں گنج فراغ　　پر ہمیں بے وقت ہاتھ آیا یہ گنج
فکر میں بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ　　ہیں وہ اب بیجا جو پہلے تھے بیج
ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا　　جب کبھی جیتے تھے ہم اے بذلہ سنج
آگئی مرگ طبیعی ہم کو یاد　　شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج
راہ اب سیدھی ہے حالی صوفیوں کی　　ہو چکے طے سب خم و پیچ و شکنج

ہیچ

بزم سے اچھی ہے گو دنیا ہے اسے مے خوار ہیچ
یاں سمجھ لیتے تو ہیں دنیا کو دم بھر یار ہیچ
نفس سے بہتی دانش نہ صبر و عقل و ہوش
ایک دشمن پر سکیں ہو تو ہیں سب یار ہیچ
شیخ اجو مخلص ہیں تا وہ رکھتے شہرہ کا امتیاز

ہے یہ سب اونچی دوکان اور رونقِ بازار ہیچ

شاہدِ معنی کو آرایش کی کچھ حاجت نہین
سبحۂ و سجادہ ہیچ اور جبّہ و دستار ہیچ

ہو گوجتے جبقدر اتنے برستے تم نہین
اے فصیحو ہے یہ سب گفتار بے کردار ہیچ

رو لی تو آٹھ آٹھ آنسو اور پسیجا دل نہ ایک
نکلے موتی تیرے سب اے چشمِ گوہر بار ہیچ

خوانِ نعمت نے ترے اے عاملِ مردار خوار
کردیے آفاق کے سب خوان و خوان سالار ہیچ

ہے ادب مسند پہ جو کچھ ہے رئیسِ شہر کا
ہٹ کے مسند سے جو خود دیکھین تو ہین سرکار ہیچ

گو کہ حالی اگلے استادون کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ملک مین ایسے ہی اب دوچار ہیچ

ح

کاٹیے دن زندگی کے اُن یگانون کی طرح
جو سدا رہتے ہین چوکس پاسبانون کی طرح

منزلِ دنیا مین ہین پا در رکاب آٹھون پہر
رہتے ہین مہمانِ سرا مین میہمانون کی طرح

سعی سے اُکتاتے اور محنت سے کتیاتے نہین
جھیلتے ہین سختیون کو سخت جانون کی طرح

رسم و عادت پر ہین کرتے عقل کو قربان وا

نفس پر رکھتے ہین کوڑا حکمرانون کی طرح
شادمانی مین گذرتے اپنے آپے سے نہین
غم مین رہتے ہین شگفتہ شادمانون کی طرح
رکھتے ہین تمکین جوانی مین بڑھاپے سے سوا
رہتے ہین چونچال پیری مین جوانون کی طرح
پاتے ہین اپنون مین غیرون سے سوا بیگانگی
پر بھلا لگتے ہین ایک اک کا یگانون کی طرح
آس کھیتی کے پنپنے کی اُنھین ہو یا نہ ہو
ہین اُسے پانی دیے جاتے کسانون کی طرح
اُن کے غصے مین ہے دلسوزی۔ ملامت مین ہے پیار
مہربانی کرتے ہین نامہربانون کی طرح
کام سے کام اپنے ان کو۔ گو ہو عالم نکتہ چین
رہتے ہین بتیس دانتون مین زبانون کی طرح
طعن سُن سُن احمقون کے ہنستے ہین دیوانہ وار
دن بسر کرتے ہین دیوانون مین سیانون کی طرح
کیجیے کیا حالی۔ نہ کیجے سادگی گر اختیار
بولنا آئے نہ جب رنگین بیانون کی طرح

خ

مے مغان کا ہے چسکا اگر بُرا اے شیخ
تو ایسی ہی کوئی چاٹ اور تُو نے لگا اے شیخ
ریا کو صدق سے ہی جام مے بدل دیتا
تمھین بھی ہے کوئی یاد ایسی کیمیا اے شیخ
وہ نکلے یہان مِتی جو بناتے تھے اکسیر
تماشے دیکھے ہین تُم نے یہ بارہا اے شیخ

غرورِ فقر و غرورِ غنا میں فرق ہے کیا
کبھی یہ رتبہ دیکھتے ہیں ہم مختصر بتا اے شیخ

زبان پہ ہوتی ہے مہر اُنکی جو ہیں محرمِ راز
پھر ایسا کیجیو ہرگز نہ ادعا اے شیخ

خبر بھی ہے تمھیں کیا بن ہی ہیں بڑے پر
قطعہ ہیں آپ جون سے بڑھکے ناخدا اے شیخ

وہ ڈوبتوں سے الگ رہتے ہیں جو ہیں تیراک
۲ شناوری کا بھی گر ہے مرحبا اے شیخ

گو زن و گو رہیں بچپن سے تارکِ دنیا
نہایت آپکی ہے اُن کی ابتدا اے شیخ

کمالِ حسنِ عقیدت سے آیا تھا حالی
یہ خانقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ

د

شادی کے بعد غم ہے فقیری غنا کے بعد
اب خوف کے سوا ہے دھرا کیا رجا کے بعد

ہے سامنا بلا کا پس انتِ عافیت ضرور
ہوتی ہے عافیت کی توقع بلا کے بعد

تقصیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یان سزا کے بعد

گر درد دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا
آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد

یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے اسکی یاد
آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد

کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم
ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد

آخر کو ماننا پڑا اے نفسِ خیرہ سر
تیرا بھی حکم کم نہیں حکمِ قضا کے بعد

غیرت سے تھی دعا کہ ہوں بدنام شہر شہر
یارب ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سن لو اور صدائیں جگر خراش
دلکش صدا سنوگے نہ پھر اس صدا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہی رجا ہو زاہد
تیرا قبلہ ہے جدا میرا جدا اے زاہد

درگزر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے
تو ترا اور کوئی ہوگا خدا اے زاہد

ہم دکھا دینگے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور
کچھ بہت دور نہیں روزِ جزا اے زاہد

قربِ حق کے لیے کچھ سوزِ نہاں بھی ہے ضرور
خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اے زاہد

میں تو سو بار ملوں دل نہیں ملتا تم سے
تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد

جال جب تک ہے یہ پھیلا ہوا دینداری کا
فکر دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد

عیب حالی کے بہت آج کیے تو نے بیان
ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اے زاہد

ذ

پیاس تیری بوسے ساغر سے لذیذ
بلکہ جام آبِ کوثر سے لذیذ

چسکا تو قاتل ہو پھر اس کے لیے
کونسی نعمت ہے خنجر سے لذیذ

لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب
ہم کو ہے سب شہد و شکر سے لذیذ

قند سے شیریں تری پہلی نگاہ
دوسری قندِ مکرر سے لذیذ

چھاچھ میں جب بھوک کی بھولے نہ تو
بھوک ہے وہ شیرِ مادر سے لذیذ

ہے یہ تجھ میں کس کی بو باس اے صبا
بو ہی بیدِ مشک و عنبر سے لذیذ

جو قناعت کے ہیں حالی میہمان
ان کو فاقے ہیں مزعفر سے لذیذ

ر

ہے یہ تکیہ تری عطاؤں پر
وہی اصرار ہے خطاؤں پر

رہیں نا آشنا زمانہ سے
حق ہے تیرا ہم آشناؤں پر

رہرو و باخبر رہو کہ گمان
رہزنی کا ہے رہنماؤں پر

ہے وہ دیر آشنا تو عیب ہے کیا
مرتے ہیں ہم انہیں اداؤں پر

اس کے کوچہ میں ہیں وہ بے پر و بال
اڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر

شہسواروں پہ بند ہے جو راہ
وقف ہے یاں برہنہ پاؤں پر

نہیں منعم کو اسکی بوند نصیب
مینہ برستا ہے جو گداؤں پر

نہیں محدود بخششیں تیری
زاہدوں پر نہ پارساؤں پر

حق سے درخواست عفو کی حالی
کیجیے کس منہ سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں ہم سو طرح سے جلوہ گر ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر
جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دوست اُسکے ہیں نہ اُسکے آشنا گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر
خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر نر
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین کرتے ہیں نفرت بدی سے جسقدر
کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر
گر کسی کا عیب سُن پاتے ہیں ہم کرتے ہیں رسوا اسے دل کھول کر
کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی شکر کے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر
ایک بخشش میں بُھلا دیتے ہیں سب ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احسان اگر
عیب کچھ گنتے نہیں اُس عیب کو جس سے ہوں اپنے سوا سب بیخبر
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں کھینچ کر لاتے ہیں اُسکو سوئے شر
بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو عیب اُن کا ظاہر اور اپنا ہنر
دوست اک عالم کے ہیں مطلب کے بیچ ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون
خواہش تحسین ہے حضرت کو مگر

ہوگی نہ قدر جان کی قربان کیے بغیر دام اُٹھینگے نہ جنس کے ارزان کیے بغیر
گو ہو شفا سے یاس پہ جبتک ہے دم میں دم بن آئیگی نہ درد کا درمان کیے بغیر
بگڑی ہوئی بہت ہے کچھ اس باغ کی ہوا یہ باغ کو رہے گی نہ ویران کیے بغیر
آمادہ دہر پردہ دری پہ ہے قوم کی منبر دیں کو رہے گا نہ عریان کیے بغیر
غیرت سے اپنی یاروں کو کچھ آپڑی ہے ضد چھوڑینگے نیچان کو نہ بیجان کیے بغیر
مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام مشکل کو ہم ٹلینگے نہ آسان کیے بغیر

گو مے ہے تند و تلخ پہ ساقی ہے دلربا — اے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کیے بغیر
تکفیر جو کہ کرتے ہیں ابنائے وقت کی — چھوڑے گا وقت اُنھیں نہ مسلماں کیے بغیر

حالی کٹے گا کاٹنے ہی سے یہ بیستون
حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کیے بغیر

ڑ

گھر ہے وحشت خیز اور بستی اُجاڑ — ہو گئی اک اک گھڑی تجھ بن پہاڑ
آج تک قصرِ امل ہے ناتمام — بندھ چکی ہو بارہا کھل کھل کے پاڑ
ہے پہونچنا اپنا چوٹی تک محال — اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ
کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار — پر نہیں زاہد کوئی ٹٹی کی آڑ
دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے — سو شبستاں ہیں اگر روشن ہیں جھاڑ
عید اور نوروز ہے سب دل کے ساتھ — دل نہیں حاضر تو دنیا ہے اُجاڑ
کھیت رستے پر ہے اور رہرو سوار — کشت ہے سرسبز اور نیچی ہے باڑ
بات واعظ کی کوئی پکڑی گئی — ان دنوں گھر ہے کچھ ہم پر لتاڑ
تم نے حالی کھول کر ناحق زباں — کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

ز

عہدِ وصال دل نے بھلایا نہیں ہنوز — عالم مری نظر میں سمایا نہیں ہنوز ق
پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز — جھونکا نسیمِ مصر کا آیا نہیں ہنوز
لگ جائے دل نہ منزلِ مقصود ہی کہیں — ہم جس کو ڈھونڈتے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز
آیا نہ ہوگا اُس کو تغافل میں کچھ مزا — ذوقِ نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز
ایمن میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا — اُس نے نقاب رخ سے اُٹھایا نہیں ہنوز
یاں دے چکی جواب امیدِ جوابِ خط — واں نامہ بر نے بار بھی پایا نہیں ہنوز

پایا ہے ذوق وشوق مین ہم کو بھرا ہوا
کافر نے اختلاط بڑھایا نہین ہنوز

کیا دل سے بعد مرگ بھی جاتی نہ تیری یاد
بھولے ہین کہ تجھکو بھلایا نہین ہنوز

سرمایۂ خلاف دو عالم ہے راز دل
باتون مین ہم نے زہر ملایا نہین ہنوز

کس نشہ مین ہے چور خدا جانے اسقدر
حالی نے جام مُنھ سے لگایا نہین ہنوز

جیتے جی موت کے تم مُنھ مین نہ جانا ہرگز
دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز

عشق بھی تاک مین بیٹھا ہی نظر بازو کی
دیکھنا شیر سے آنکھین نہ لڑانا ہرگز

زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی
زد مین تیر صف مژگان کی نہ جانا ہرگز

چاہت اک طلعت مکروہ ہے برقع مین نہان
کسی دلالہ کے دھوکے مین نہ آنا ہرگز

ہاتھ ملتے ہون پیری مین اگر حسرت سے
تو جوانی مین نہ یہ روگ بسانا ہرگز

جتنے رستے تھے ترے ہو گئے ویران اے عشق
آکے ویرانون مین اب گھر نہ بسانا ہرگز

کوچ سب کر گئے دلی سے ترے قدر شناس
قدردان رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانا ہرگز

داستان گل کی خزان مین نہ سنا اے بلبل
ہنستے ہنستے ہمین ظالم نہ رلانا ہرگز

ڈھونڈھتا ہے دل شوریدہ بہانے مطرب
دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

صحبتین اگلی مصور ہمین یاد آئین گی
کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

موجزن دل مین ہین یان خون کے دریا اے چشم
دیکھنا ابر سے آنکھین نہ چرانا ہرگز

لیکے داغ آئیگا سینے پہ بہت اے سیاح
دیکھو اُس شہر کے کھنڈرون مین نہ جانا ہرگز

چپے چپے پہ ہین یان گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا کہین اتنا نہ خزانا ہرگز

مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشان بھی اب تو
اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

وہ تو بھولے تھے ہمین ہم بھی اُنھین بھول گئے
ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانا ہرگز

جسکو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں　　نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز
ہمکو گر تو نے رُلایا تو رلایا اے چرخ　　ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز
یار خود روئیں گے کیا اُن پہ جہاں روتا ہے　　اُن کی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
آخری دور میں بھی تجھکو قسم ہے ساقی　　بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
بخت سوئے ہیں بہت جاگ کے اے دورِ زماں　　نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز
یاں سے رخصت ہو سویرے کہیں اے عیش و نشاط　　نہیں اس دور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز
کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمھارا دلی　　ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی یارو　　یاد کر کر کے اُسے جی نہ کڑھانا ہرگز
غالب و شیفتہ و نیر و آزردہ و ذوق　　اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز
مومن و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد　　شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو　　ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز
داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں　　نہ سُنے گا کوئی بُلبل کا ترانہ ہرگز
رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر　　اب نہ دیکھوگے کبھی لطفِ شبانہ ہرگز

بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رُلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز　　ہمنے دیکھے بہت نشیب و فراز
عشق کی آنچ اسمیں پاتا ہوں　　دل ذرا دیکھتا ہوں جس کا گداز
شیخ اللہ رے تیری عیاری　　کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز
اِک سپے کی جو ہمنے کہدی آج　　رنگ واعظ کا کر گیا پرواز
ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری　　ہو گئی بھول ہم کو خاک حجاز
آج منکر بھی ناچ اُٹھیں گے　　گر مغنی کی ہے یہی آواز

قطعہ[1]

خیر ہے اے فلک کہ چار طرف ۱ چل رہی ہین ہوائین کچھ ناساز
رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا ۲ ہین دگرگون زمانہ کے انداز
ہوتے جاتے ہین زورمند ضعیف ۳ بنتے جاتے ہین مبتذل ممتاز
چھپتے پھرتے ہین کبک تیہو سے ۴ گھونسلون مین عقاب اور شہباز
ہے نہتون کو رہگذر مین خطر ۵ رہزنون نے کیے ہین ہاتھ دراز
ٹڈیون کا ہے کھیتیون پہ ہجوم ۶ بھیڑیون کے ہین خون پہ لب آز
ناتوانون پہ گِدھ ہین منڈلاتے ۷ گھاٹیون پہ ہین ہیز تیر انداز
تشنۂ خون ہین بھوکے شیرون کے ۸ حیلہ گر روبہون کے عشوۂ ناز
دشمنون کے ہین دوست خود جاسوس ۹ اور یارون کے یار ہین غمّاز
ہوگا انجام دیکھیے کیا کچھ ۱۰ ہے پُرآشوب جبکہ یہ آغاز
نے ابھی تک کھُلی نہین لیکن ۱۱ غیب سے آرہی ہے کچھ آواز
وقت نازک ہے اپنے بیڑے پر ۱۲ موج حائل ہے اور ہوا ناساز
یا تھپیڑے ہوا کے لے اُبھرے ۱۳ یا گیا کشمکش مین ڈوب جہاز
کام اُسے اپنے سونپ دو حالی ۱۴ نہین جس کا شریک اور انباز
ہے وہ مالک ڈبوئے خواہ ترائے ۱۵ چارہ یان کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذبِ رحمت ہے مقناطیس عصیان اپنے پاس
رکھتے ہین عاصی کمندِ صیدِ غفران اپنے پاس
عاجزون سے معذرت کرتے ہین اکثر درگذر
عجز اپنا ہے کلیدِ بابِ رضوان اپنے پاس

[1] یہ قطعہ اسوقت لکھا گیا تھا جبکہ ترکی کو سلطان عبدالعزیز خان کے قتل کے بعد سرویہ، مانٹینگرو اور روس کے مقابلہ مین اخیر صدمہ پہنچا۔

ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
عذر خواہ اپنا ہے خود فرمان سلطان اپنے پاس

بام بتلایا بلند اور نارسا بخشی کمند
رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہان اپنے پاس

خاک میں ہمنے ملا رکھی ہے اکسیر اپنی آپ
ورنہ ہے ہر درد کا موجود درمان اپنے پاس

دست برد اہرمن کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
ہے بحمد اللہ وہ مہر سلیمان اپنے پاس

دیکھنا حالی نہ دینا وضع فطرت کو بدل
ہے یہ دستاویز استخلاف جان اپنے پاس

چھیڑ اب نہ اے تصور مژگان یار بس — کافی ہے خار خار غم روزگار بس
یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے — غمخواری اپنی رہنے دے اے غمگسار بس
ہر داغ فصل گل کی نشانی ہے اے صبا — گلگشت کو بہت ہے دل داغدار بس
ڈر ہی دو دن کے ساتھ امیدیں بھی ہیں بجا — اے آسمان گردش لیل و نہار بس
دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ — یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس
آتا نہیں نظر کہ یہ ہو رات اب سحر — کی نیند کیوں حرام بس اے انتظار بس

تھوڑی سی ہو رات اور کہانی بہت بڑی
حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

اک ہم کو ہمہ سر سرانجام ہے درپیش — بنتا نظر آتا نہیں جو کام ہے درپیش
غفلت ہے کہ گھیرے ہوئے ہے چار طرف سے — اور معرکۂ گردش ایام ہے درپیش

وہ دن گئے جب تھا مرضِ صعب کا آغاز — اب اُس مرضِ صعب کا انجام ہے درپیش
گو صبح بھی تھی روزِ مصیبت کی قیامت — پر صبح تو جوں توں کٹی اب شام ہے درپیش
وہ وقت گیا نشہ تھا زوروں پہ جب اپنا — اب وقت خمارِ مئے گلفام ہے درپیش
امیدِ شفا کا تو جواب آ ہی چکا ہے — اب موت کا سننا ہمیں پیغام ہے درپیش

جی اُس کا کسی کام میں لگتا نہیں بیمار
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے اُسکی مختص ہیں عطائیں خاص خاص — ہر مرض کو راس ہیں جیسے دوائیں خاص خاص
دل تو اپنا پھر چکا ہے زالِ دنیا سے مگر — پھرتی ہیں آنکھوں میں اُسکی ادائیں خاص خاص
گو زمانے نے بھلادی دل سے اپنے فصلِ گل — یاد ہیں نغمے وہ بلبل کی صدائیں خاص خاص
زہد و تقویٰ سے نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب — قسمتیں ہیں کچھ خاص خاص اور ہیں دعائیں خاص خاص

یوں تو ہیں امید سب کچھ پر ہیں شاید سنائیں
وہ جو کی ہیں تم نے اے حالی ثنائیں خاص خاص

درد اور درد کی ہو سب کی دوا ایک ہی شخص — یاں ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص
حور و غلماں کے لیے لائیں دل آخر کس کا — ہو کے دیتا نہیں یاں عہدہ برآ ایک ہی شخص
قافلے گذریں وہاں کیونکہ سلامت واعظ — ہو جہاں راہزن اور راہنما ایک ہی شخص
قیس سا پھر کوئی اُٹھا نہ بنی عامر میں — فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص
جمگھٹے دیکھے ہیں جن لوگوں کے ان آنکھوں نے — آج دنیا کو ہے ڈھونڈو وہ تھا ایک ہی شخص
گھر میں برکت ہے مگر فیض ہو جاری شب و روز — کچھ بھی سچ ہے مگر ہے بخدا ایک ہی شخص

اعتراضوں کا ارادہ ہے کہ ہو حالی پر کچھ تو
شاعر اب سارے جہاں میں ہے کیا ایک ہی شخص؟

ض

عشق کو ترک جنوں سے کیا غرض
چرخ گرداں کو سکوں سے کیا غرض

دل میں ہے اے خضر گر صدق طلب
راہرو کو رہنموں سے کیا غرض

حاجیو ہے ہم کو گھر والے سے کام
گھر کے محراب و ستوں سے کیا غرض

گنگنا کر آپ رو پڑتے ہیں جو
اُن کو چنگ و ارغنوں سے کیا غرض

نیک کہنا نیک جس کو دیکھنا
ہم کو تفتیش دروں سے کیا غرض

دوست ہیں جب زخم دل سے بے خبر
اُن کو اپنے اشک خوں سے کیا غرض

عشق سے ہے مجتنب زاہد عبث
شیر کو صید زبوں سے کیا غرض

کر چکا جب شیخ تسخیر قلوب
اب اسے دنیائے دوں سے کیا غرض

آئے ہو حالی پئے تسلیم یاں
آپ کو چون و چگوں سے کیا غرض

دوست کا کار دشمنیں اعراض
دوستوں ہی کا کام ہے اغماض

چاہیے ایک سب کا مقصود
گو ہوں سب کے جدا جدا اغراض

یاد میں تیری سب کو بھول گئے
کھو دیے ایک غم نے سب امراض

دیکھیے تو کس سے خوش ہے یا ناخوش
اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض

مَا اُبَالِی بِمَا یُقَالُ فِیَّ
کُلُّ قَاضٍ وَ اَنْتَ عَنِّی رَاضٍ

منھ بدل جس میں یہ دیکھ
اپنا مطلب اور سب ہی اغماض

حق میں اپنے کے سخت ممسک ہیں
جو کہ اوروں کے حق میں ہیں فیاض

راستے سے کچھ غافل سی تیری
ہیں اپنی ہی دیکھ کے اسے فیاض

وعظ میں گل کرتے ہیں واعظ
منھ میں اُن کے زبان ہے یا مقراض

ہے فقیہوں میں اور ہم میں نزاع
فصل لنا فی ہوانا منا قاض

ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد | خار کش تجھ سے ہیں سوا مرتاض
شیخ کی تھی یہ آخری تلقین | چاہیے زر تو اس سے کر اعراض

ایسی غزلیں سنی نہ تھیں حالی
یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

رات گذری ہو چکا دور نشاط | طے ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط
دل سے خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر | نام تھا سنا یہ جوانی کا نشاط
دن اب اپنا دل منقبض رہنے کے ہیں | ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط
غنچہ چٹکا اور آ پہونچی خزاں | فصل گل کی تھی فقط اتنی بساط
زینۂ منبر ہے لغزش کی جگہ | جائیو واعظ اسے راہ صراط
تو بھی گھاتے ہیں نہیں محتاط شیخ | ہم کریں پینے میں کیوں بیجا احتیاط

کوچ کی حالی کرو تیاریاں
ہے قویٰ میں دمبدم اب انحطاط

ظ

چھپے ہیں حریفوں میں احرار واعظ | برا کہہ نہ رندوں کو زنہار واعظ
سدا قہر ہی قہر ہے عاصیوں پر | نہ ستار ہے تو نہ غفار واعظ
نکل آئے گی سرکشی کی بھی حلت | کوئی مل گیا گر ہمیں یار واعظ
کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن | سنا ہے کہ ہوتے ہیں عیار واعظ
ہیں اور بھی تجھ سے کرتے ہیں بدظن | یہ جبہ یہ ریش اور یہ دستار واعظ
نہ چھوڑیگا زیور گھروں میں نہ زر تو | یہی ہے اگر حسن گفتار واعظ
مسلماں نہ ہم کاش حالی کو کہتے | ہوئے بات کہہ کر گنہگار واعظ

ع

اے بہار زندگانی الوداع — اے شباب اے شادمانی الوداع

اے بیاض صبح پیری السلام — اے شب مشکیں ردائی الوداع

السلام اے قاصد ملک بقا — الوداع اے عمر فانی الوداع

روزگار ضعف و سستی الصلا — وقت سعی و جانفشانی الوداع

قطعہ

فرصت عشق و جوانی الفراق — ۱ دور عیش و کامرانی الوداع

تجھکو سمجھے تھے نعیم جاودان — ۲ اے نعیم جاودانی الوداع

تیرے جاتے ہی گئیں سب خوبیاں — ۳ اے خدا کی مہربانی الوداع

لگا حالی کنارے پہ جہاز

الوداع اے زندگانی الوداع

غ

کل کہتے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ — دیکھو اس خرام ناز پہ اتنا نہ کر دماغ

ہیں تاک میں عقاب تو شہباز گھات میں — حملے سے یاران اہل کے نہیں ایکدم فراغ

یارب نگاہ بد سے چمن کو بچائیو — بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ

دو چار گام نقش قدم مل سکے تو کیا — آگے پتا نہ آہوے مشکیں کا کچھ سراغ

آئے ہیں پینے وہ شوق سے جو اہل انجمن — باقی بچا ہے جو کہ بھرا ہے مے لعل سے ایاغ

جنگل میں تحفۂ گل خودرو کو دیکھ کر — تازہ ہوا زمانہ کی نا قدریوں کا داغ

حالی ابھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزم شعر میں

پائی ابھی تپش نہ کہ گل ہو گئے چراغ

ف

حق نہ ملا نے کچھ بتایا صاف صاف — اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف صاف

آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھلی | مہر روشن نظر نہ آیا صاف
کبھی دشمن سے بھی نہ کھٹکے ہم | صاف تھے آپ سب کو پایا صاف
زاہدو ہم تو تھے ہی آلودہ | تم کو بھی ہمنے کچھ نہ پایا صاف
کیون فقیہون سے رک گئی حالی | بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہین یار کی محفل مین بار کے لائق | نہ اپنا کلبۂ احزان ہے یار کے لائق
کرے گا کیا ترا کحل الجواہر اے کحال | نہین یہ آنکھ ہی دیدار یار کے لائق
مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ | بہت ہے زندگی مستعار کے لائق
غرور و حرص ہین زیور عروس دنیا کے | بناؤ تھے یہی اس نابکار کے لائق
کرے گی باد بہار آکے اب کسے سرسبز | رہا نہ باغ قدوم بہار کے لائق
بس اب ہے فضلۂ روباہ و گرگ پر گذران | رہا نہ شیر ژیان خود شکار کے لائق
گنہ کا عذر کرین محتسب ہم آنکھون سے | ہمارے جرم ہون گر اعتذار کے لائق
گرہ مین دام نہ دفتر مین نام ہے حالی | تمھین تو شہر مین ہو اعتبار کے لائق
یہ ہمنے مانا کہ تم مین ہنر بھی ہین کچھ کچھ | مگر نہین کوئی خوبی شمار کے لائق

ک

دلون کا کھوٹ اگر کیجیے برملا ایک ایک | تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک
سلامتی کو وہان قافلون کی رو بیٹھین | جہان ہے راہزن خلق رہنما ایک ایک
زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر | بنا ہے غوث زمان آجکل گدا ایک ایک
رہا ہون رند بھی اے شیخ پارسا بھی مین | مری نگاہ مین ہے رند و پارسا ایک ایک
وفا کی ایک بھی سے امید ہو اس وقت | کہ یار یار سے ہو جائیگا جدا ایک ایک
چھپا کے اس سے قصور اپنے ہم بہت شرماے | جب آپ منہ سے لگی بولنے خطا ایک ایک

ہوا نہ ایک بھی حق اس کی بندگی کا ادا — کیا ہے جس نے حق خواجگی ادا ایک ایک
اسیر حاج کی ہمت میں گر نہ آئے قصور — تو موج بحر ہو کشتی کی ناخدا ایک ایک
ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو — ورق جب اسکا اڑا لے گئی ہوا ایک ایک
بہار نے بھی نہ بلبل تری بجھائی آگ — جگر کے پار ہے اب بھی تری نوا ایک ایک
وہ عشق ہے نہ جوانی وہ تو ہو اب نہ وہ ہم — پہ دل پہ نقش ہوا ابتک تری صدا ایک ایک

نہ ہم رہیں گے نہ حالی یہ بزم آرائش جہان
رہیگی حالی دلگیر کی صدا ایک ایک

ک

عالم آزادگان ہے اک جہان سب سے الگ — ہے زمین اُن کی اور اُن کا آسمان سب سے الگ
پاک ہیں آلائشوں سے بند نہیں لیے لگاؤ — رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیان سب سے الگ
دوست سمجھے ہیں جہان کو خواہ اپنا ہو یا بیگانہ ہو — ہے عشیرہ اور اُن کا خاندان سب سے الگ
سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں — ہے کوئی بھیدی اور اُن کا رازدان سب سے الگ
جانچتے اوروں کو ہیں خود لے کے اپنا امتحان — رکھتے ہیں اپنا طریق امتحان سب سے الگ
اک چمن زیر قدم رکھتے ہیں زیر بغل — روضۂ و بستان و فردوس و جنان سب سے الگ
کلبۂ احزاں ہے روشن اُن کا جس سے رہتا ہے — ہے وہ نور مہر و ماہ و کہکشان سب سے الگ
سیکڑوں بستے ہیں یاں جھگڑا ہوا ہے بند بند — پر نہ ٹوٹے کوئی دل اُن کا تو واں سب سے الگ
شاعروں نے کہے ہیں سب انہی کے تحریر پہ لکھے ہوئے — دردمندوں کا ہے دکھڑا اور بیان سب سے الگ

حال ہو نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دکان سب سے الگ

صلح ہے اک مہلت سامان جنگ — کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفنگ
عہد گیتی پر نہ بھولیں کامران — آخر اس کی آشتی لائے گی رنگ

علم گیا، اخلاق گیا، ہتھیار گیا
سب بشر کے مار رکھنے کے ہیں ڈھنگ

روکیے بدخو کو بدخوئی سے کیوں
آپ اپنی خو سے آجائے گا تنگ

زہد و طاعت پر جوانوں کی نہ جاؤ
یہ بھی ہے اک نوجوانی کی ترنگ

پاکبازوں کو نہیں کچھ قیدِ وضع
جو ہیں اچھے اُن پہ سب کھلتے ہیں رنگ

کام کا شاید زمانہ ہو چکا
دلمیں اب اٹھتی نہیں کوئی اُمنگ

وہ عجائب اب نظر آتے ہیں کھیل
دیکھ پہلے جن کو رہ جاتے تھے دنگ

کاہشوں سے پرورش پاتی ہے روح
اب لگا کھایا پیا سب آ کے انگ

عقل شاید ملک میں باقی ہے کچھ
ہے ابھی کچھ حاصل افیون و بھنگ

بڑھ گیا ہے رحم انسانی بہت
ہوگی ایجاد اب نئی توپ اور تفنگ

قوم کو حالی نہیں راس اتفاق
پھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہمیشہ رنگ

ل

ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل
یا زمانہ ہی گیا یارب بدل

رہ گئے ہیں کچھ نہ کچھ آثارِ سلف
اور ابھی ہونا ہے شاید مبتذل

اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں
ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل

کب تک آخر ٹھہر سکتا ہے وہ گھر
آگیا بنیاد میں جس کی خلل

ناؤ ڈوبے یا کہیں کھیوا ہو پار
تیری حد بھی کچھ ہے اے طول امل

اب لگاؤ پود وہ کچھ اپنی نئی
لاچکے پودے بہت اگلوں کے پھل

دیکھنے بنتا ہے کب تک پاس وضع
ہم نہ بدلے اور گیا عالم بدل

کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں
وقت کوشش کا گیا شاید نکل

اب سنو حالی کے نوحے عمر بھر
ہو چکا ہنگامۂ مدح و غزل

مدرسے میں دہر کے رو بر قضا بیٹھے تھے ہم
اُٹھ بس ویسے ہی کورے جیسے جا بیٹھے تھے ہم

پھر وہیں لائی ہمیں ہے عشوۂ پیری کافر کے لوٹ
زالِ دنیا سے ابھی ہو کر خفا بیٹھے تھے ہم

صحبتیں اہلِ ورع کی بس کہ تھیں نظروں میں تنگ
بزمِ رنداں میں یونہیں اک روز جا بیٹھے تھے ہم

شیخ دنیا کی حقیقت رو کے دنیا میں کھلی
ورنہ دھوکا دور سے کچھ سب کو کھا بیٹھے تھے ہم

ہم نہ کہتے تھے کہ واعظ رشتۂ خوبی سے تری
آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم

سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر
ہاتھ ساحل ہی پہ بیڑے سے اُٹھا بیٹھے تھے ہم

ہم سے خود دنیا ہی تھی بیزار حالی ورنہ یاں
دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
پر ہر اک خوبی میں داغ اک عیب کا پاتے ہیں ہم

خوف کا کوئی نشاں ظاہر نہیں افعال میں
گو کہ دل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم

کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم

دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم

دل میں دردِ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
پر اُسے آلودۂ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم

ہوگئے نادم جرم سے پھر جرم کرتے ہیں وہی
جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم

ہیں فدا اُن دوستوں پر جن میں ہو صدق و صفا
پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم

گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خفا
اک جہاں سے آپ کو لیکن خفا پاتے ہیں ہم

جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا
اپنے میں گر شمّۂ مہر و وفا پاتے ہیں ہم

بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
گر کبھی توفیقِ ایثار و عطا پاتے ہیں ہم

ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
دردِ خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم

ٹھہرتے جاتے ہیں جتنے چشمِ عالم میں بھلے
حالِ نفسِ دوں کا اتنا ہی بُرا پاتے ہیں ہم

جسقدر جھک جھک کے ملتے ہین بزرگ و خرد سے
کبر و ناز اتنا ہی اپنے مین سوا پاتے ہین ہم

گو بھلائی کرکے ہمجنسون سے خوش ہوتا ہے جی
تہ نشین اس مین مگر دُرد ریا پاتے ہین ہم

ہے ردائے نیکنامی دوش پر اپنے مگر
داغ رسوائی کے کچھ زیر ردا پاتے ہین ہم

راہ کے طالب ہین پر بے راہ پڑتے ہین قدم
دیکھیے کیا ڈھونڈھتے ہین اور کیا پاتے ہین ہم

نور کے ہمنے گلے دیکھے ہین اے حالی مگر
رنگ کچھ تیری الاپون مین نیا پاتے ہین ہم

آگے بڑھے نہ قصۂ عشق بتان سے ہم
سب کچھ کہا مگر نہ کھلے رازدان سے ہم

اب بھاگتے ہین سایۂ عشق بتان سے ہم
کچھ دل سے ہین ڈرے ہوے کچھ آسمان سے ہم

خود رفتگی شب کا مزا بھولتا نہین
آئے ہین آج آپ مین یارب کہان سے ہم

درد فراق و رشک عدو تک گران نہین
تنگ آگئے ہین اپنے دل شادمان سے ہم

جنت مین تو نہین اگر اے زخم تیغ عشق
بدلین گے تجھ کو زندگی جاودان سے ہم

لینے دو چین کوئی دم اسے منکر و نکیر
آئے ہین آج چھوٹ کے قید گران سے ہم

ہنستے ہین اُسکے گریۂ بے اختیار پر
بھولے ہین بات کہہ کے کوئی رازدان سے ہم

اب شوق سے بگاڑ کی باتین کیا کرو
کچھ پا گئے ہین آپ کی طرز ادا سے ہم

دلکش ہر ایک قطعۂ صحرا ہے راہ مین
ملتے ہین جا کے دیکھیے کب کاروان سے ہم

لذت تری کلام مین آئی کہان سے یہ
پوچھین گے جا کے حالی جادو بیان سے ہم

ن

یارون کو تجھ سے حالی اب سرگرانیان ہین
نیندین اچاٹ دیتی تیری کہانیان ہین

یاد اسکی دل سے دھو دے اے چشم تر تو مانون
اب دیکھنی مجھے بھی تیری روانیان ہین

بنتے ہین غیر اپنے ہوتے ہین رام وحشی
الفت کی بھی جہان مین کیا حکمرانیان ہین

غیبت ہو یا حضور ہی دونو بری ہیں تیری　　　جب بدگمانیاں تھیں اب بدزبانیاں ہیں
کہتے ہیں جسکو جنت وہ اک جھلک ہے تیری　　　سب واعظوں کی باقی رنگین بیانیاں ہیں
رحمت تری غذا ہے غصہ ترا دوا ہے　　　شانیں ہیں تیری جتنی جان جہانیاں ہیں
ہوگا تو پہلے ہوگا اے چرخ مہربان تو　　　کچھ ان دنوں تو ہمپر نامہربانیاں ہیں
اپنی نظر میں بھی یاں اب تو حقیر ہیں ہم　　　بے غیرتی کی یارو اب زندگانیاں ہیں
روتے ہیں چار ہمپر ہنستے ہیں چار ہمپر　　　یاں تک ہماری پہونچی اب ناتوانیاں ہیں
ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں ہیں خوش　　　حصہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں
خاور سے باختر تک جن کے نشان تھے برپا　　　کچھ مقبروں میں باقی ان کی نشانیاں ہیں
دیکھا نہیں ابھی تک قحط الرجال تم نے　　　اس سے بھی سخت آتی آگے گرانیاں ہیں
کھیتی ن کوئے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا　　　کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں
فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں　　　گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

رونے میں تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی
یہ خوں فشانیاں ہیں یا گلفشانیاں ہیں

جب سے سنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہمیں
اب نہ سنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں
کچھ روز و ن غفلت میں پھرے یاں ڈھونڈھتے ہم آسایش کو
کھل گئی جب دنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا خلجان ہمیں
چل کے نئی اک چال فلک نے کھو دیئے ہوش حریفوں کے
ڈر ہے بچیں یا مات قبولیں اتنے نہیں اوسان ہمیں
پاس انھیں گر اپنا ذرا ہو دھیان اپنی بھی آن پہ ضد ہو
کرتے ہیں خود نا منصفیاں اور کہتے ہیں ناقدران ہمیں

داد طلب سب غیر ہون جب تو ان ہین کسی کا پاس انھین
بتلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ پہچان ہمین

صحرا مین کچھ بکریون کو قصّاب چراتا پھرتا تھا
دیکھ کے اُس کو سارے تمھارے آگئے یاد احسان ہمین

یان تو بدولت زہد و ورع کے بنھ گئی خاصی عزّت سے
بن نہ پڑا پر کل کے لیے جو کرنا تھا سامان ہمین

سُر تھے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بیوقت سی تھی
غل تو بہت یارون نے مچایا پڑ گئے اکثر مان ہمین

غیر سے اب وہ بیر نہین اور یار سے اب وہ پیار نہین
بس کوئی دن کا اب حالی یان سمجھو تم مہمان ہمین

کی تو ہین ہمنے بھی حالی کوچ کی تیاریان — سوجھتی ہین راہ مین لیکن بہت دشواریان
خواب راحت مین وہ لذت تیری ای پیری نہین — جو جوانی مین مزا دیتی تھین شب بیداریان
ہین اگر بیدردیان اپنون کی دل کو ناگوار — ناگوار اُن سے سوا غیرون کی ہین غمخواریان
ہو کہین اقبال کی نوبت کہین ادبار کی — سب کو کرنی ہونگی پوری اپنی اپنی باریان
زیست بے عقلون کو ہو جائے بسر کرنی محال — اتنی بھی لے عاقلو اچھی نہین ہشیاریان
بے مزہ ہی اہل دین کی ترشروئی بھی مگر — اس سے پھیکی اہل دنیا کی ہین ظاہرداریان

گو طبیعت سے گئے سب مادّی فاسد نکل
کم ہوئین حالی نہ لیکن نفس کی بیماریان

راز دل کی سر بازار خبر کرتے ہین — آج ہم شہر مین خون اپنا ہدر کرتے ہین
عقل کی بات کوئی ہمنے کہی ہے شاید — جنتی جتنے ہین سب ہمسے حذر کرتے ہین
جُرم خالق سے سوا پاتے ہین جُرم فقہا — جب کہ ہم اپنے گناہون پہ نظر کرتے ہین

کم سے کم وعظ میں اتنا تو اثر ہو واعظ! بول قوال کے جو دلمیں اثر کرتے ہیں
زہد و طاعت کا سہارا انہیں جیسے زاہد یاد اللہ کو ہم آٹھ پہر کرتے ہیں
عیب یہ ہے کہ کرو عیب ہنر دکھلاؤ ورنہ یاں عیب تو سب فرد بشر کرتے ہیں
غم و رنج و مصیبت پہ کرو ناز کہ وہ دل دکھاتے ہیں وہی جنمیں کہ گھر کرتے ہیں
جی رکاوٹ سے جو اکثر کبھی رک جاتا ہے اک لگاوٹ سی ادھر سے وہ ادھر کرتے ہیں
اک یہاں جینے سے بیزار ہیں ہم یا رب یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں
تلخیاں زیست کی تھوڑی سی ہی ہیں باقی یہ ہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں
قیصرو زار کا یاں بیٹھ تو پھر نا معلوم بس ہماری ہی طرح وہ بھی گذر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی
آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں رخنے نکلیں گے سیکڑوں اسمیں
کی نصیحت بری طرح ناصح اور اک بس ملا دیا بس میں
ہو نہ بینا تو فرق پھر کیا ہے چشم انساں و چشم نرگس میں
بیقدم دم ہیں خانقاہوں میں بے عمل علم ہیں مدارس میں
دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز اب دھرا کیا ہے اسمیں اور اسمیں
نہ ہو قبضے میں جب عنان فرس ہیچ ہیں جو ہنر ہیں فارس میں
جس سے نفرت ہو اہل نعمت کو وہی نعمت ہے چشم مفلس میں
ہو فرشتہ بھی تو نہیں انساں درد تھوڑا بہت نہ ہو جس میں
جانور آدمی فرشتہ خدا آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں
آج کل چرخ صلح جو ہے بہت دیکھیے ہو بگاڑ کس کس میں
کی ہے خلوت پسند حالی نے اب نہ دیکھو گے اس کو مجلس میں

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہین
ہین مے ناب کے دلال قدح خوار نہین

شہر مین اُن کے نہین جنسِ وفا کی بکری
بھاؤ ہین پوچھتے پھرتے پہ خریدار نہین

کون سے وہ گل رعنا پہ نواسنج نہین
کون سی نرگس شہلا کے وہ بیمار نہین

کبھی لیلیٰ پہ ہین مفتون کبھی شیرین پہ فدا
اور جو پوچھو تو دونو سے سروکار نہین

اُٹھ نہین سکتی سزا جرم وفا کی اُن سے
دل پھنسا کر کہین بنتے وہ گنہگار نہین

عیش مین جان فدا کرنے کو تیار ہین وہ
اور جو ہو کھیل کا کھٹکا بھی تو پھر یار نہین

نت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا اُن کو
دربدر جھانکنے پھرنے سے اُنھین عار نہین

بوالہوس کام طلب بندۂ نفس اہل ہوا
ایک عالم ہے اسی رنگ مین دوچار نہین

دعوئ عشق و محبت پہ نہ جانا اُن کے
اِن مین گفتار ہی گفتار ہے کردار نہین

کہے حالی بھی اگر عاشق صادق ہو نہین
کہدو واللہ کہ صادق نہین زنہار نہین

پھونکا ہے فصل گل نے صور آکے پھر چمن مین
اِک حشر سا ہے برپا مُرغان نغمہ زن مین

بلبل کے آگ سی کچھ تن من مین لگ رہی ہے
بجلی گری فلک سے یا گل کھلا چمن مین

بادِ صبا گئی پھونک کیا جانے کان مین کیا
پھولے نہین سماتے غنچے جو پیرہن مین

چُپ ہے زبان سوسن حیران ہے چشم نرگس
قدرت کا دیکھ جلوہ نسرین و نسترن مین

ہین اور تو ادائین ساری سہی قدون کی
پڑتی ہے جان باقی بس سرو نارون مین

ہے عید اہل اسلام یا موسم بہاران
جنگل بسا ہوا ہے سب عطر یاسمن مین

مُنھ سے دھوان سا اُٹھا لیتے ہی نام اسلام
بارود بچھ رہی تھی گویا لب و دہن مین

پھر زخم پھوٹ نکلا حالی نہ چھیڑنا تھا
فصل خزان کا قصہ ذکر گل و سمن مین

گو رو چکے ہین دُکھڑا سو بار قوم کا ہم
پر تازگی وہی ہے اس قصۂ کہن مین

وہ قوم جو جہان مین کل صدر انجمن تھی
تم نے سُنا بھی ؟ اسپر کیا گذری انجمن مین

پائیں بزم میں بھی اب ملتی نہیں اُسے جا — رونددن میں ہے وہ گلبن پھولا تھا جو چمن میں
روبہ کی جون میں ہے مرغوب اب وہ ہیئت — تھی سہمناک کل تک جو شیر کے بدن میں
وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستند یمن کی[1] — ہے اب بجائے حکمت خاک اڑ رہی یمن میں
وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے — ہے کال موتیوں کا اب سربسر عدن میں
قبر اویس پر ہے بس فخر اب قرن کو — زندہ اویس کوئی باقی نہیں قرن میں
اس باغ کی خزاں نے کچھ خاک سی اڑا دی — فصل بہار گویا آئی نہ تھی چمن میں
ڈالی نہ ہوگی آگے اے دور چرخ شاید — جو ابکی تو نے ہل چل ڈالی ہے انجمن میں
فوج اور بھیڑ دونوں پھرتی ہیں بے سری سر — گویا امیر لشکر مارا گیا ہے رن میں
خرد و بزرگ سارے ہیں بد حواس گویا — لٹنے کی قافلے کے پہونچی خبر وطن میں
بھولی ہوئی ہیں ڈگریں ہرنوں کی چوکڑی سب — جائیں کدھر کہ ہر سو دون لگ رہی ہے بن میں
حالی بس اب نہیں ہاں سننے کی تاب باقی — مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں

نوکِ زباں سے تیری سینوں کو چھید ڈالا
ترکش میں ہے یہ پیکاں یا ہے زباں دہن میں

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں — اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں
ہیں دور جام اول شب میں خودی سے دور — ہوتی ہے آج دیکھیے ہم کو سحر کہاں
یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر — تھا اس کو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں
اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیش عشق — رکھی ہے آج لذت زخم جگر کہاں
بس ہو چکا بیان کسل و رنج راہ کا — خط کا مرے جواب ہے اے نامہ بر کہاں
کون و مکاں سے ہے دل وحشی کنارہ گیر — اس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہے گھر کہاں

[1] یمن کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ "الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ" یعنی ایمان بھی یمن کا ہے
اور حکمت بھی یمن کی ہے۔ اسی بنا پر میر باقر داماد نے اپنے فلسفہ کا نام حکمت یمانیہ رکھا ہے ۱۲

ہم جیسے مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

پیا ہمنے نہ جامِ بے کدورت بزمِ دوران مین
خزان کو لے گئے ہمراہ اگر پہونچے گلستان مین

نہین کچھ منحصر آشفتگی زلفِ پریشان مین
جو دل چاہے تو اُٹھے اک غبارِ [illegible] مین

اگر چھوڑا الم نے جذبۂ عشقِ زلیخا نے
نہ رہنے دے گا حسنِ خودنما یوسف کو کنعان مین

تصور نے بھلایا تیرے ذوقِ شادی و غم کو
نہ کچھ کلفت ہے زندان مین نہ کچھ راحت شبستان مین

خوشی مین بھی نہین رہنا خوش آتا ایک حالت پر
کہان تک جی نہ گھبرائے الٰہی دردِ ہجران مین

زبان تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز
نہ پوچھو ہم سے کیا دیکھا ہے ہمنے بزمِ [illegible] مین

فلک سے جیتے جی معلوم اپنا کام دل اے خضر
سوائے طولِ حسرت کیا دھرا ہے آبِ حیوان مین

نہ چھوٹے گی محبت یار سے ناکام عاشق کو
نسیمِ مصر کو آنا ہے اک دن بیتِ احزان مین

گل و نسرین تو کیا وقت ہین جی تک چھوٹ جاتا ہے
ہمارا بھی کبھی لگتا تھا دل سیرِ گلستان مین

بہت دن چاہئین یوسف کو تا پہونچے زلیخا تک
نکل کر چاہِ کنعان سے ابھی رہنا ہے زندان مین

نہ دی حسرت نے حالی فرصتِ سیرِ جہان اک دم
رہے ہم شہر مین ایسے کہ گویا بیابان مین

اب وہ اگلا سا التفات نہین
جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہین

مجھ کو تم سے ہے اعتمادِ وفا
تم کو مجھ سے پر التفات نہین

رنج کیا کیا ہین ایک جان کے ساتھ
زندگی موت ہے حیات نہین

یونہین گذرے تو سہل ہے لیکن
فرصتِ غم کو بھی ثبات نہین

کوئی دلسوز ہو تو کیجے بیان
سرسری دل کی واردات نہین

ذرہ ذرہ ہے مظہر خورشید — جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہیں

قیس ہو کوہکن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

کچھ ہنسی کھیل سنبھلنا غم ہجراں میں نہیں — چاک دل میں ہے مرے جو کہ گریباں میں نہیں
کھو دیا یاس نے ذوق خلش فکر وصال — اک مزا تھا سو وہ اب کاوش پنہاں میں نہیں
ہمنے کی سیر چمن غور سے اے بلبل زار — بات جچتی ہوئی کوئی گل و ریحاں میں نہیں
عشق نے مصر میں سو بار زلیخا سے کہا — فتنہ دہر ہے جو حسن وہ کنعاں میں نہیں
محتسب! صدق و صفا یاں ہے انھیں کے دم تک — مصلحت پر بھی صحبت رنداں میں نہیں
یاں کبھی ہے کون و مکاں سے دل وحشی آزاد — جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں
ٹھیرتے ٹھیرتے دل یونہی ٹھہر جائے گا — بات جو آج ہے وہ کل غم ہجراں میں نہیں
کس طرح اسکی لگاوٹ کو بناوٹ سمجھوں — خط میں لکھا ہے وہ القاب جو عنواں میں نہیں
دی ہے واعظ نے کن آداب کی تکلیف نہ پوچھ — ایسے الجھاؤ ترے کاکل پیچاں میں نہیں
آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نہ جائے — اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصاں میں نہیں
بیقراری تھی سب امید ملاقات کے ساتھ — اب وہ اگلی سی درازی شب ہجراں میں نہیں

حالی زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز
یہ تو آثار کچھ اس مرد مسلماں میں نہیں

غم فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں — شادی وصل بھی عاشق کو سزاوار نہیں ق
خوبروئی کے لیے زشتی خو بھی ہے ضرور — سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا طرحدار نہیں
قول دینے میں تامل نہ قسم سے انکار — ہم کو سچا نظر آتا کوئی اقرار نہیں
کل خرابات میں اک گوشے سے آتی تھی صدا — دل میں سب کچھ ہے مگر رخصت گفتار نہیں
حق ہوا کس سے ادا اس کی وفاداری کا — جسکے نزدیک جفا باعث آزار نہیں

دیکھتے ہیں کہ پہونچتی ہے وہاں کون سی راہ — کعبہ و دیر سے کچھ ہم کو سروکار نہیں

ہوگئے قائل وہ ابھی مطلع ثانی سنکر
جو تجلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

ق ہیں تو ہیں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں — اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں

کچھ پتا منزل مقصود کا پایا ہم نے — جب یہ جانا کہ ہمیں طاقت رفتار نہیں

چشم بد دور بہت پھرتے ہیں اغیار کے ساتھ — غیرت عشق سے اب تک وہ خبردار نہیں

ہو چکا ناز اٹھانے میں ہے گو کام تمام — للہ الحمد کہ باہم کوئی تکرار نہیں

مدتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا — دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہیں

اصل مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتا — ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں

بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابل اظہار نہیں

وحشت میں تھا خیال گل و یاسمن کہاں — لائی ہے بوئے انس نسیم چمن کہاں

ہے بندگی کے ساتھ یہاں ذوق بندگی — جائیگا دیر چھوڑ کے اب برہمن کہاں

اہل طریق جس کو سمجھتے ہیں زاد راہ — واں نقد دستبرد کو لے راہزن کہاں

فصل خزاں کمین میں ہے صیاد گھات میں — مرغ چمن کو فرصت سیر چمن کہاں

لاتا ہے دل کو وجد میں اک حرف آشنا — لیجائے ہم کو دیکھیے ذوق سخن کہاں

جی ڈھونڈتا ہے بزم طرب میں انھیں مگر — وہ آکے انجمن میں تو پھر انجمن کہاں

دل ہو گیا ہے لذت غربت سے آشنا — اب ہم کہاں ہوائے نشاط وطن کہاں

کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے — شکوے کو لے گیا ہے وہ بیداد فن کہاں

روکا بہت کل آپ کو حالی نے واں مگر
جاتا ہے محو شوق کا دیوانہ پن کہاں

کوئی محرم نہین ملتا جہان مین ۔ مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان مین
قفس مین جی نہین لگتا کسی طرح ۔ لگا دو آگ کوئی آشیان مین
کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہولین ۔ دھرا کیا ہو اشارات نہان مین
کہین انجام آپہونچا وفا کا ۔ گھلا جاتا ہون اُنکے امتحان مین ق
سنا ہے لیجیے جب نام اُس کا ۔ بہت وسعت ہو میری استان مین
دل پُر درد سے کچھ کام لون گا ۔ اگر فرصت ملی مجھکو جہان مین
بہت جی خوش ہوا حالی سے ملکر ۔ ابھی کچھ لوگ باقی ہین جہان مین

و

مرے دلمین ہو، گو مجھسے نہان ہو ۔ مجھے بھی ڈھونڈھ لینا تم جہان ہو
نہ چھیڑون تذکرہ وصل عدو کا ۔ اگر سمع مبارک پر گران ہو ق
تقاضائے محبت ہے، وگرنہ ۔ مجھے اور جھوٹ کا تم پر گمان ہو
بہت بیقدر ہون محفل مین تیری ۔ کہین ناخواندہ تو بھی میہمان ہو
مجھے ڈالا ہے سو وہم و گمان مین ۔ بہت کیون آج مجھ پر مہربان ہو
کمر خون پہ ہمارے باندھ رکھے ۔ جسے سُنئی ہماری داستان ہو

مؤثر ہے بہت حالی ترا وعظ
دل اُسکے سامنے بھی کچھ بیان ہو

حکم ہے پیر مغان کا کہ جوانی نہ گنواؤ ۔ خیر کفارۂ عصیان ہے پیو اور پلاؤ
دل کو کس طرح سمجھئے کہ وہی ہے پہ دل ۔ وہ امیدین ہین نہ ارمان نہ امنگین ہین نہ چاؤ
یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر ۔ تو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے ہین برتاؤ
دوست ہون جسکے ہزارون وہ کسی کا نہین دوست ۔ سچ بتا تجھکو کسی سے بھی ہے دنیا مین لگاؤ
تو وہی برق جہان سوز ہی بن خواہ نہ بن ۔ ہی برابر ترا بے ساختہ پن اور بناؤ

اک ہی دوست اور اُس سے ہمیں چھڑاتے ہو
ناصحو اب تمھیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ

ہو گیا ذکر قیامت تو اجیرن واعظ
باتیں کچھ اور کرو قصہ کوئی اور سناؤ

جھکولے ابر بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا
ایک ہی بار تم اے بادلو اس طرح نہ چھاؤ

پہونچ لے خضر کہ ہے وقت مددگاری کا
ڈگمگاتی ہے بہت بیچ سے منجدھار میں ناؤ

دیکھیں کس طرح نہ سرسبز ہو پھر کشت امید
آؤ اور ندیاں آج آنسوؤں کی مل کے بہاؤ

اے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت تو بک
آج کل تیجیے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ

قافلے ساتھ کے جا پہونچے حرم تک کب کے
وقت اب ہاتھ سے جاتا ہے جو آتے ہو تو آؤ

اُس کے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

ص

در فیض حق بند جب تھا نہ اب کچھ
فقیروں کی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ

ہر اک کو نہیں ملتی یاں بھیک زاہد
بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ

کچھ اور آؤ بن کر تم اے میر و مرزا
نہیں پوچھتے یاں حسب اور نسب کچھ

یہ طبل تہی ہیں جو بنکارتے ہیں
جنھیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کب کچھ

دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا
ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ

ہے افسردہ مجلس کی خست سے واعظ
وہ گرمائے گا یہ سمجھیں گے جب کچھ

تم اپنی سی کہنی تھی جو کہہ چکے سب
نہیں ناصحو تم پہ الزام اب کچھ

یہ ہے سیر مجلس کہ چینی کی مورت
ٹٹولو تو ہیچ اور دیکھو تو سب کچھ

کوئی لقمۂ چرب تاکا ہے شاید
یہ حالی کی غفلت نہیں بے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں ملّت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

تکلف علامت ہے بیگانگی کی — نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت — جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے — نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
کرو علم سے اکتساب شرافت — نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ
فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو — اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زبان سے — نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا — مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
کرو ذکر کم اپنی داد و دہش کا — مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ
پھر اوروں کی تکتے پھرو گے سخاوت — بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ
کہیں دوست تم سے نہ ہو جائیں بدظن — جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا — نہ رکھو امیروں سے ملت زیادہ
وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا — جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ
نہیں چھپتے عیب اتنی ثروت سے تیرے — خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
ہے الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم — پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا — مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ
بکے مفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں — پہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ
ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر — نہیں بس اب اے غفلت مہلت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی
الاپیں نہ بس آپ دھرپت زیادہ

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ — مزا انگور کا مے خوار سے پوچھ ق
وفا اغیار کی اغیار سے سن — مری الفت در و دیوار سے پوچھ

ہماری آہِ بے تاثیر کا حال — کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ
دلوں میں ڈالنا ذوقِ اسیری — کمندِ گیسوئے خمدار سے پوچھ
دلِ مہجور سے سن لذتِ وصل — نشاطِ عافیت بیمار سے پوچھ
نہیں جز گریۂ غم حاصلِ عشق — ہماری چشمِ دریا بار سے پوچھ
نہیں آبِ بقا جز جلوۂ دوست — کسی لب تشنۂ دیدار سے پوچھ
فریبِ وعدۂ دیدار کی قدر — شہیدِ خنجرِ انکار سے پوچھ
فغانِ شوق کو مانع نہیں وصل — یہ نکتہ عندلیبِ زار سے پوچھ
تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم — وہ تصویرِ خیالِ یار سے پوچھ

متاعِ بے بہا ہے شعرِ حالی
مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ی

ہے انکی دوستی پر ہم کو تو بدگمانی — وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ انکی مہربانی
پیہم کوئی آخر کب تک سنتے ملامت — ناصح سے ہمکو اپنی کہنی پڑی کہانی
عاشق کے دل کو ٹھنڈک تیری گلی میں ہے — دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی
امیدِ وصل سے ہی کچھ جی چھڑا دیتا — جو کچھ سنا ہے ہمنے مشاطہ کی زبانی
ہر حکم پہ ہوں راضی ہر حال میں ہوں خوش — کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی
صبر و سکون سے ہمکو یہ بھی نہ پڑنے دے — تھوڑی سی رہ گئی ہے اے کاہشِ نہانی
پھر یہ بنا ہے ہستی ہو تیرے بعد ویران — ہر تو بھی اب غنیمت اے ضعفِ ناتوانی
دیکھا جمالِ جاناں آنکھوں نے اور نہ دل نے — کیا جانے کس ادا سے کی اُس نے دلستانی

اک نکتہ کے بیان سے سر ہو نہ گی حالی
چلتا نہیں کسی کا یان لافِ نکتہ دانی

کہدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے
گر مے نہیں دے زہر ہی کا جام پلا سے

جو کچھ ہے سو ہے اسکے تغافل کی شکایت
قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے

دلالہ نے امید دلائی تو ہے لیکن
دیتے نہیں کچھ دل کو تسلی یہ دلاسے

ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اے شہ خوبان
یان ہیں۔ تو فقط تیری محبت کے ہیں پیاسے

پیاسے ترے سرگشتہ ہیں جو راہ طلب میں
ہونٹوں کو وہ کرتے نہیں تر آب بقا سے

در گذرے دوا سے تو بھروسے پہ دعا کے
در گذریں دعا سے بھی دعا ہے یہ خدا سے

اک درد ہے پس آٹھ پہر دل میں کہ جس کو
تخفیف دوا سے ہو نہ تسکین دعا سے

حالی [illegible] ہیں ہم دولت کونین
شرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسان و [illegible]

[illegible] وقت پہ دیتے دستار [illegible]
بیکلیے تقرا سے [illegible]

کب کہا [illegible] ہیں جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
گل بتا دے گی خزان یہ کہ وطن کس کا ہے

فیصلہ گردش دوران نے کیا ہے سو بار
مرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے

دم سے یوسف کے جب آباد تھا یعقوب کا گھر
چرخ کہتا تھا کہ یہ بیت حزن کس کا ہے

مطلق اس سے مسلمان نہ مسیحی نہ یہود
دوست کیا جانیئے یہ چرخ کہن کس کا ہے

واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذات خدا
ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے

آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
مژدہ تسخیر پھر اے شیخ زمن کس کا ہے

آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر
تم میں رو پا اے گل و نسرین و سمن کس کا ہے

عشق ادھر عقل ادھر دھن میں چلے ہیں تیری
رستہ اب دیکھیے دونوں میں کٹھن کس کا ہے

شان دیکھی نہیں گر تو نے چمن میں اسکی
ولولہ تجھ میں یہ اے مرغ چمن کس کا ہے

ہیں فصاحت میں مثل واعظ و حالی دونو
دیکھنا یہ ہے کہ پہلے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

سپاہ دہر سے پہ باغ باغ ہیں لیکن
بہیر روتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے

کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب
کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے

قلق انھیں نہیں گرد و ستون سے چھٹنے کا
طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ سنبھلتی جاتی ہے

بہت سے کھو دیے خلجان بینوائی نے
ضرورت ایک کے بعد ایک ٹلتی جاتی ہے

ہوے ہیں بار امانت سے تیرے سب عاجز
زمین بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے

اڑے گی خاک تقدس کی اب سر بازار
فقیہ و شیخ میں جوتی اچھلتی جاتی ہے

نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب ہے کچھ حالی
مری بھی قیمت کچھ تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

بری اور بھلی سب گذر جائے گی
یہ کشتی [illegible] نہیں پار [illegible]

ملے گا نہ گلچین کو گل کا پتا
ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی

رہیں گے نہ ملاح یہ دن سدا
کوئی دن میں گنگا اتر جائے گی

ادھر ایک ہم اور زمانہ ادھر
یہ بازی تو سو بسوے ہر جائے گی

بناوٹ کی شیخی نہیں رہتی شیخ!
یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی

نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں
یونہیں عمر ساری گذر جائے گی

سنیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی
کہ ان کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن
حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی

نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں
یہ گلچینی ہے یا لٹس ہے گلچین یا ہے قزاقی

کمالِ کفش دوزی علمِ افلاطون سے بہتر ہے
یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جسکو مشائی نہ اشراقی

رہی دانائی آخر غالب آکر پہلوانی پر
گئے جیت ہان سب چابکی و فرزانی و قبچاقی

ہمارے ظرف ہی انعام کے قابل نہین ورنہ
لنڈھاتا خم پہ خم غیرت یہ کیون ممسک ہو کر ساقی

مدارج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی
لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب باقی کا

اہلِ معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی
بزم مین اہلِ نظر بھی ہین تماشائی بھی

اپنے اور غیر کے حق کی نہین کچھ رکھتے تمیز
اسمین شہری بھی ہین کوہی بھی ہین صحرائی بھی

آنکھ سب ایک سی رکھتے ہین اور ایک ہندی
اسمین مسلم بھی ہین ہندو بھی ہین عیسائی بھی

جو چھپاتے ہین حق اندیشۂ رسوائی سے
گھات مین انکے لگی بیٹھی ہے رسوائی بھی

دوست گر بھائی ہو دوست ہے تو بھی لیکن
بھائی گر دوست نہین تو نہین کچھ بھائی بھی

اے غمِ دوست تجھی پر ہین اپنی گذران
کچھ فتوح اسکے سوا اور ہے بالائی بھی

دل لگی رکھتے ہین اسے دولتِ دنیا جو لوگ
تو ران کے کبھی تو دیکھ کے سرائی بھی

عقل ہو اپنی حماقت کے چھپانے کی نہین
جنمین کچھ ساتھ حماقت کے ہو خودرائی بھی

عقل اور حسن پہ جن کے بھری مجلس ہو گواہ[۵]
ان کو خودرائی بھی پھبتی ہے خود آرائی بھی

ملنے دیگی نہ اجل تم سے نہین جی بھر کر
فرصت اے دوستو دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم پہ رہی مُردوں سے بدتر حالی[۵۲]
دیکھ لی ہم نے طبیبوں کی مسیحائی بھی

رہا کُھل کے زاہد کا زہد ریائی
بنائی بہت بات پر بن نہ آئی

بُرائی ہے رندوں مین بھی شیخ لیکن
کہان یہ برائی کہان وہ برائی

گناہوں سے بچنے کی صورت نہین جب
عبادت مین کیون جان ناحق کھپائی

---

۵ یعنی غمِ دنیا و غمِ ذات و فرزند وغیرہ ۱۲ ۵۲ اپنے دائم المرض ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱۲

رکا ہاتھ جب تک نہ تھے پارسا ہم — نہیں پارسائی یہ تھی نارسائی
بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہو ہم سے — سوا اُسکے منعم میں ہو کیا بڑائی
جو کہیے تو جھوٹی جو سنیے تو سچی — خوشامد بھی ہم نے عجب چیز پائی
ہوئی آکے پیری میں قدر جوانی — سمجھ ہم کو آئی پہ ناوقت آئی
وہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پربت — وہ پربت کو بھی کر دکھاتا ہو رائی
جوانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح — وہاں دل پہ کھائی تھی یاں منھ کی کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی
نہیں آپ سے بھی اچھوں سے خالی خدائی

وصل کا اب بھی دلِ زار تمنائی ہے — نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے
قطع امید نے دل کر دیے یکسو لیکن — شکل حسرت میں یہ امید نے دکھلائی ہے
قوتِ دستِ خدائی ہے شکیبائی میں — وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے
ڈر نہیں غیر کا جو کچھ ہے سو اپنا ڈر ہے — ہم نے جب کھائی ہے اپنے ہی سے زک کھائی ہے
نشہ میں چور نہوں جب تک میں ہوش سے ہوں — پند یہ پیرِ خرابات نے فرمائی ہے
نظر آتی نہیں اب دل میں تمنا کوئی — بعد مدت کے تمنا مری بر آئی ہے

بات سچی کہی اور انگلیاں اٹھیں سب کی
سچ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے — جس قدر کرنی ملامت اور کو آسان ہے
سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار — آئے اس میدان میں تنہا اگر کچھ جان ہے
دیکھ لے بلبل ذرا گلشن کو آنکھیں کھول کر — پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی اک شان ہے
عقل پہلی پر نہیں تھی حرص و ہوا انسان کی — لے نہ اب نام آدمیت کا اگر انسان ہے
چھوٹوں میں ہے اتحاد اور بڑوں میں اتفاق — آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے

تجھ میں جو ہے اے شمع ہے کس برق عالم سوز کی جان و دل سے تجھ پہ پروانہ جو ہوں قربان ہے

دل میں حالی کے رہے باقی نہیں ارمان کچھ
جی میں ہو کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے

ہم میں وہ سوز غم میں ہے وہ ایمان باقی رہ گیا ہے اب اسے گبر و مسلمان باقی
بزم دعوت میں رسائی ہوئی اپنی اُس وقت میزبان جب نہ رہا کوئی نہ مہمان باقی
حق ادا ایک نگہ لطف کا ہوگا کیونکر دل و دین لے چکے اور ہے ابھی جان باقی
ظاہرا درد ہی اُلفت کا نہیں چارہ پذیر ورنہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درمان باقی

توشہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے ہیں بہت کوچ کے سامان باقی

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تُف کیجیے نفس کہتا ہے ابھی چند بے توقف کیجیے
وان رسائی ہو صبا کی اور نہ قاصد کو ہو بار اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجیے
ضبط کیجے درد دل تو ضبط کی طاقت نہیں اور کھلا جاتا ہے راز دل اگر اُف کیجیے
دوست کہتے ہیں ہم ہر رنگ میں ہیں چاہتے بے تکلف ملیے ہم سے یا تکلف کیجیے
جبکہ چھٹے مل گئی دنیا ہے پھر سہل الوصول شیخ کہتے تھے اس پر بھی تصرف کیجیے
وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اُسے چاہیے اب عمر بھر بیٹھے تاسف کیجیے

تو یہ حضرت کی نہیں اک دو گھڑی کا سا ملال
ہم دکھا دینگے ذرا دم بھر توقف کیجیے

نیا فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی جان کہ ہم نے لگا لی ہے یہ علت کیسی
جب خزان ہو گئی آخر تو رہا ہم حیران جن کی قسمت میں ہو کلفت اُنھیں راحت کیسی
جی کا اُلفت کو سمجھتے تھے ہم اک بہلاوا وہ تو آفت تھی ہماری لیے اُلفت کیسی
بیٹھے جی رکھ نہ فراغت کی توقع نادان قید ہستی میں مری جان فراغت کیسی

عیب جوئی سے نہیں خلق کو دم بھر فارغ ۔ جنکو کچھ کام نہیں یاں انھیں فرصت کیسی
جو حقیقت سے ہیں آگاہ تری اے دنیا ۔ وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی
جانتا ہے وہی دل پر ہے گذرتی جسکے ۔ ہم کہیں کس سے کہ درپیش ہے حالت کیسی
ہم نے اول سے پڑھی ہو یہ کتاب آخر تک ۔ ہم سے پوچھے کوئی ہوتی ہے محبت کیسی
جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنا ناصح ۔ وحی بھی کام نہیں کرتی نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجام
یار کی ہیں بھی کہوں ہو یہ عنایت کیسی

سعی سے بہتر تھی آسانی مری ۔ کفر سے بدتر مسلمانی مری
تھا نہ محتاج سبب عفو کریم ۔ کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
خلد میں بھی گر رہی یاد اسکی زلف ۔ کم نہ ہو شاید پریشانی مری
ہے لباس جسم تک مجھ پر گراں ۔ دور رہا ہو چکی ہے عریانی مری
مانع گلگشت ہے بیم خزاں ۔ موت کرتی ہے نگہبانی مری
شکر نعمت ہے بقدر انتظار ۔ حشر پر ٹھہری ہے مہمانی مری

خندہ زن ہے اس مسلمانی پہ کفر
جیسی ہو حالی مسلمانی مری

پیوستہ ہے جو دل میں بھی درمیاں رہے ۔ شکوے وہ سب سنا کیے اور مہرباں رہے
کیا کیا ہیں دل میں دیکھیے ارمان بھرے ہوئے ۔ ہم میزباں نہیں جو کوئی میہماں رہے
حیراں ہیں ہاتھ سے تو یار رشتۂ امید ۔ اب تک تو ہم یہاں ہیں پہ شاداں رہے
پہنچی گئی نہ بات کہیں پاس وضع کی ۔ اتنے ہی ہم سبک ہوئے جتنے گراں رہے
دیر و حرم کو تیرے فسانوں سے بھر دیا ۔ اپنے رقیب آپ رہے ہم جہاں رہے
دارا و جم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے ۔ گنج متاع عشق الٰہی گراں رہے

حالی سے مل کے ہو گئے تم افسردہ دل بہت
اگلے سے ولولے وہ اب ہمیں کہاں رہے

کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گمان رہے
بات اُس کی کاٹتے رہے اور ہمزبان رہے

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کاروان رہے

یا کھینچ لائے دیر سے رندوں کو اہلِ وعظ
یا آپ بھی ملازم پیرِ مغان رہے

وصلِ مدام سے بھی ہماری بجھی نہ پیاس
ڈوبے ہم آبِ خضر میں اور نیمجان رہے

کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا روسیاہ
ہم مدعی سے کہکے مکر گئے اور پشیمان رہے

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے

حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر ملا
کچھ راز تھے کہ دل میں ہمارے نہان رہے

ق
حق وفا کے جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہکے مسکرانے لگے

تھا یہاں دل میں طعنِ وصلِ عدو
عذر اُن کی زبان پہ آنے لگے

ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں
وہ اگر ہمت آزمانے لگے

ڈر ہے میری زبان نہ کھل جائے
اب وہ باتیں بہت بنانے لگے

جان بچتی نظر نہیں آتی
غیر اُلفت بہت جتانے لگے

تم کو کرنا پڑے گا عذرِ جفا
ہم اگر دردِ دل سنانے لگے

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم
ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

جی میں ہے لوں رضائے پیر مغان
قافلے پھر حرم کو جانے لگے

سِرِّ باطن کو فاش کر یا رب
اہلِ ظاہر بہت ستانے لگے

وقتِ رخصت تھا سخت حالی پر
ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

ق

حشر تک یاں دل شکیبا چاہیے — کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیے

ہے تجلی بھی نقاب روئے یار — اس کو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیے

غیر ممکن ہے نہ ہو تاثیر غم — حال دل پھر اس کو لکھا چاہیے

ہے دل افگاروں کی دلداری ضرور — گر نہیں الفت مدارا چاہیے

ہے کچھ اک باقی خلش امید کی — یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیے

دوستوں کی بھی نہ ہو پروا جسے — بے نیازی اس کی دیکھا چاہیے

بھا گئے ہیں آپ کے انداز و ناز — کیجیے اغماض جتنا چاہیے

شیخ ہے ان کی نگہ جادو بھری — صحبت رنداں سے بچنا چاہیے

لگ گئی چپ حالی رنجور کو
حال اس کا کس سے پوچھا چاہیے

جنوں کار فرما ہوا چاہتا ہے — قدم دشت پیما ہوا چاہتا ہے

دم گریہ کس کا تصور ہے دل میں — کہ اشک اشک دریا ہوا چاہتا ہے

خط آنے لگے شکوہ آمیز ان کے — ملاپ ان سے گویا ہوا چاہتا ہے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہم کو — وہ صرف تمنا ہوا چاہتا ہے

ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں میں — اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے

مجھے کل کے وعدے پہ کرتے ہیں رخصت — کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے

فزوں تر ہے کچھ ان دنوں ذوق عصیاں — در رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے

قلق گر یہی ہے تو راز نہانی — کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے

وفا شرط الفت ہے لیکن کہاں تک — دل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے

بہت خط اٹھاتا ہے دل تجھ سے مل کر — قلق دیکھیے کیا ہوا چاہتا ہے

غم رشک کو تلخ سمجھے تھے ہمدم — سو وہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے

بہت بے چین دن گذرتے ہیں حالی
کوئی فتنہ بپا ہوا چاہتا ہے

ق

جب کہ غصے میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے | آج دل لے گا اگر کل نہ لیا یاد رہے
شوق بڑھتا گیا جوں جوں اُنکے اُس شوخ سے ہم | یہ سبق وہ ہے کہ بھولے سے سوا یاد رہے
ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر | نہ ہو برتاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے
یاد آؤ گے بہت لطف سمجھ کر کیجیے | اس بھلائی کا ہے انجام بُرا یاد رہے
شیخ یاں شرم گنہ شوق بھلا دیتا ہے | تو یہ اُن کی ہے نہیں اپنی خطا یاد رہے
وادیِ عشق میں موسیٰ کو اگر رخصت دیں | ہاتھ کٹوائیں جو پھر کفش و عصا یاد رہے
خضر نے پاؤں اگر وقت فنا میں رکھا | بھول جائیں گے وہ آب بقا یاد رہے
دل بری طرح لگا عشق بتاں میں او شیخ | دین پڑا پائیں اگر اب کے خدا یاد رہے
چارہ گرا کار بنا نارو تدبیر نہیں | کچھ بھی ہمت اگر وقت دعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہا پھر ہیں ہم
حضرت اس لطف کا پائینگے مزا یاد رہے

ملنے کی جو کرنی تھی تدبیر کر چکے | آخر کو ہم حوالہ تقدیر کر چکے
افسوس شب وصال بھی دل نے گزار دیں | نالے شب فراق کے تاثیر کر چکے
اے دل اب انتظار تری بے وفائی کا ہے وقت | وہ امتحان ہر تیغ و شمشیر کر چکے
کہتے ہیں طیش دوست شکایت نہ کیجیے | ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے
بھولے رہے قصور پہ اپنا ہم چند روز | دیکھا تو دل کو ہم ہدف تیر کر چکے
جان لب تک انتظار میں آئی ہے بار بار | قاصد جلد جلد کہیں تقریر کر چکے
دل لے کے ایک مرا یہ فارغ ہوئے ہیں وہ | گویا کہ اک جہان کو تسخیر کر چکے
حالی اب آؤ پیرویِ مغربی کریں | بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

نہ واں پرسش نہ یاں تاب سخن ہے
محبت ہے کہ دل میں موج زن ہے

بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُسکی
وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات
مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے

عدو سے بات محفل میں نہ کرنی
جو سچ پوچھو تو جائے سوءظن ہے

بہت دل ہیں ترے عاشق کو درکار
تری جو بات ہے وہ دلشکن ہے

دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد
نہ ہیں بلبل نہ گھر میرا چمن ہے

کروں تجھ سے بیاں کچھ درد غربت
مگر جوشش سخن مُہر دہن ہے

رہے لاہور میں آکر تو جانے
یہی دنیا ہے جو دار المحن ہے

نہیں آتی کہیں یاں بوئے یوسف
مگر جو گھر ہے وہ بیت الحزن ہے

یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام
کہ بلبل ناشناسائے چمن ہے

نہ کچھ مجنوں کو ہے پروائے لیلی
نہ کچھ شیریں کو درد کوہکن ہے

مجھے تنہا نہ سمجھیں اہل لاہور
تصور میں مرے اک انجمن ہے

مری خلوت میں ہے ہنگامۂ بزم
خموشی میں مری ذوق سخن ہے

بتاؤں تم کو ہوں کس باغ کا پھول
جہاں ہر گل بجائے خود چمن ہے

بتاؤں تم کو ہوں کس مصر کی بو؟
جہاں غربت وطن پر خندہ زن ہے

عدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی
مگر یاد عزیزاں راہزن ہے

نہ لینے دے گا جنت میں بھی آرام
یہی گر جذبۂ مہر وطن ہے

۱؎ یہ غزل تقریباً ۱۸۷۴ء میں اسوقت لکھی تھی جبکہ اول ہی اول بتقریب ملازمت دلی چھوڑکر لاہور جانا پڑا تھا اس وقت اول تو دلی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا۔ دوسرے لاہور میں کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ وہاں پہونچتے ہی نہایت سخت بلا آئی۔ اور وبائے ہیضہ کے بعد مدت تک چیچک اور بخار کا دور دورہ رہا۔ آخر کار راقم بھی سخت بیمار ہوگیا۔ اس تنہائی اور سراسیمگی و غم و اندوہ کی حالت میں یہ اشعار لکھے گئے تھے ۔

گریں نظروں سے سب باتیں پرانی
مگر الفت کہ اک رسم کہن ہے

بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی!
یہ سب تم صاحبوں کا حسن ظن ہے

کیا ہے اس نے کہتے ہیں سخن ترک
مگر ہم کو ابھی اس میں سخن ہے

[1] دھوم تھی اپنی پارسائی کی
کی بھی اور کس سے آشنائی کی

کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت
ہم کو طاقت نہیں جدائی کی

منہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے
تم کو عادت ہے خودنمائی کی

لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں
صلح میں چھیڑ ہے لڑائی کی

ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن
ہم سے باتیں کرو صفائی کی

دل رہا پائے بند الفت دام
تھی عبث آرزو رہائی کی

دل بھی پہلو میں ہو تو یاں کس سے
رکھیے امید دلربائی کی

شہر و دریا سے باغ و صحرا سے
بو نہیں آتی آشنائی کی

نہ ملا کوئی غارت ایماں
رہ گئی شرم پارسائی کی

بخت ہمداستانی شیدا [2]
تو نے آخر کو نارسائی کی

صحبت گاہ گاہی رشکی [3]
تو نے بھی ہم سے بے وفائی کی

موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے
ساعت آ پہنچی اس جدائی کی

زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی
انتہا ہے یہ بے حیائی کی

[1] یہ غزل بھی لاہور میں اسی وقت لکھی گئی تھی جبکہ غزل سابق لکھی گئی تھی آخر کے اشعار میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۱۲

[2] شیدا سے مراد منشی محمد کریم اللہ خان صاحب دہلوی ہیں کہ اس زمانہ میں کبھی کبھی فکر شعر کرتے تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے ۱۲

[3] رشکی آنریبل نواب محمد علی خان بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲

ق کر دیا خوگر جفا تو نے | خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
دور پہونچی تھی اپنی آزادی | پر خدا جانے کیا کیا تو نے
کیوں نہ آئیں گے یاں تک اے ہمدم | بس سنا ہیں نے اور کہا تو نے
گوش لب بستہ لائے تجھے ہم آج | نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
صبر کا ہے بہت برا انجام | ہم کو سمجھا ہے دل بہت کیا تو نے
ابتدائے وفا ہے سر دینا | میری دیکھی نہ انتہا تو نے
دل سے قاصد بنا کے وعدۂ وصل | اور کھو یا رہا سہا تو نے
ایک عالم کو خوش کیا اے رشک | ہم کو کس سے خفا کیا تو نے

جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
حالی اپنا کہا سنا تو نے

ق کر کے بیمار دی دوا تو نے | جان سے پہلے دل لیا تو نے
رہرو تشنہ لب نہ گھبرانا | اب لیا چشمۂ بقا تو نے
شیخ جب دل ہی دیر میں تھا لگا | آکے مسجد سے کیا لیا تو نے
دور ہو اے دل مآل اندیش | کھو دیا عمر کا مزا تو نے
ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ | کیا کیا چشم آشنا تو نے
دل و دیں کھو کے آئے تھے سوئے دیر | یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

خوش ہے امید خلد پر حالی
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

ق دل کو درد آشنا کیا تو نے | درد دل کو دوا کیا تو نے
طبع انسان کو دی سرشت وفا | خاک کو کیمیا کیا تو نے
وصل جاناں محال ٹھہرایا | قتل عاشق روا کیا تو نے

تھا نہ جز غم بساط عاشق میں
غم کو راحت فزا کیا تو نے

جان تھی اک وبال فرقت میں
شوق کو جان گزا کیا تو نے

تھی محبت میں ننگ منت غیر
جذب دل کو رسا کیا تو نے

قطعہ

١ راہ زاہد کو جب کہیں نہ ملی
در میخانہ وا کیا تو نے

٢ قطع ہونے ہی جب لگا پیوند
غیر کو آشنا کیا تو نے

تھی جہاں کارواں کو دینی راہ
عشق کو رہنما کیا تو نے

ناؤ بھر کر جہاں ڈبونی تھی
عقل کو ناخدا کیا تو نے

بڑھ گئی جب پدر[١] کو مہر پسر
اس کو اس سے جدا کیا تو نے

جب ہوا ملک و مال رہزن ہوش
بادشہ کو گدا کیا تو نے

جب ملی کام جاں کو لذت درد
درد کو بے دوا کیا تو نے

جب دیا راہرو کو ذوق طلب
سعی کو نارسا کیا تو نے

پردہ چشم تھے حجاب بہت
حسن کو خودنما کیا تو نے

عشق کو تاب انتظار نہ تھی
غرفہ اک دل میں وا کیا تو نے

حرم آباد اور دیر خراب
جو کیا سب بجا کیا تو نے

سخت افسردہ طبع تھے احباب
ہم کو جادو نوا کیا تو نے

پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یارب
کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے

حالی اٹھا ہلا کے محفل کو
آخر اپنا کہا کیا تو نے

---

[١] اس شعر میں پدر و پسر کا اشارہ حضرت یعقوب و یوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے شعر میں بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ہیں ١٢

رباعیات

توحید

کانٹا ہو ہر اک جگر مین اٹکا تیرا
حلقہ ہے ہر اک گوش مین لٹکا تیرا
مانا نہین جس نے تجھکو جانا ہو ضرور
بھٹکے ہوے دل مین بھی ہو کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم مین جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغان نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان مین ہو جب جہاز چکر کھاتا
جب قافلہ وادی مین ہو سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہو جب اُٹھ جاتا
وان تیرے سوا کوئی نہین یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہین گھیر تیری قدرت کے ظہور
منکر بھی پکار اُٹھتے ہین تجھکو مجبور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ
خورشید کا شش جہت مین پھیلا جب نور

توحید

جب یاس دلون پہ چھا جاتی ہے
دشمن سے بھی نام تیرا جپواتی ہے
ممکن ہے کہ سب کو بھول جائیں اطفال
لیکن انھیں دکھ مین مان ہی یاد آتی ہے

ایضاً

مٹی سے، ہوا سے، آتش و آب سے یان
کیا کیا نہ ہوے بشر پہ اسرار عیان
پر تیرے خزانے ہین ازل سے اب تک
گنجینۂ غیب مین اسی طرح نہان

ایضاً

ہستی سے ہے تیری رنگ و بو سب کے لیے
طاعت مین ہے تیری آبرو سب کے لیے
ہین تیرے سوا سہارے سب کمزور
سب اپنے لیے ہین اور تو سب کے لیے

ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ پہ اور اس سے زیاد
دنیا مین نہین ہے ایک دل جو کہ ہو شاد
پر جو کہ ہین تجھ سے لو لگائے بیٹھے
رہتے ہین ہر ایک رنج و غم سے آزاد

نعت

زہاد کو تو نے محو تمجید کیا
عشاق کو مست لذت دید کیا
طاعت مین نہ حق کی ساجھی چھوڑی
توحید کو تو نے آکے توحید کیا

ایضاً

دنیا سے عرب کو محترم تو نے کیا
اور امیون کو خیر امم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا دیر و حرم
[illegible] کیا

ایضاً

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف
یثرب کو ہوا تیری [illegible] سے شرف

شعر ۲ یعنی جو کچھ آج تک ظاہر ہوا ہے [illegible] جو خزانۂ غیب مین مخفی ہے [illegible]

اولاد ہی کو فخر نہیں کچھ تجھ پر — آبا کو بھی ہے تیری اُتو سے شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں — شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا — وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

ترک شعر عاشقانہ

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی — بزم شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دل زندہ تو نے ہم کو چھوڑا — ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

پیران زندہ دل

خوش رہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح — ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل انکے ہیں ظرف انکے جو کرتے ہیں تیر — ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت — ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گر ہو نہ خلوص — نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت

امتحان کا وقت

زاہد کہتا تھا جان ہے دین پر قربان — پر آیا جب امتحان کی زد پر ایمان
کی عرض کسی نے کہیے اب کیا ہے صلاح — فرمایا کہ بھائی جان ہے تو جہان

عشق

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا — یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے۔ یہ اتنی ہے خبر — اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

نیکوں کی جانچ

نیکوں کو نہ ٹھہرائیو بد اے فرزند — اک آدھ ادا اُن کی اگر ہو نہ پسند

کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں
ہوں اس میں اگر گلے سڑے دانے چند

دوستوں سے بیجا توقع

تازیست وہ محوِ نقشِ موہوم رہے
جو طالبِ دوستانِ معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے
صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پہ نہ جو تو مفتون
گردن پہ نہ لو عقلِ خداداد کا خون
خود عہدِ شباب ہے اک جنون ہے اب تم
کرتے ہو فزون جنون پہ اک اور جنون

غرور سب عیبوں سے بدتر ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور
پر عیب سے بچیے تا بمقدور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو
گھٹنے سے کہیں ان کے نہ بڑھ جائے غرور

گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ زباں سے کہتے ہیں وہ کم
ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور قدم[ط]
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسنِ گفتار
بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

شرطِ قبول

ممکن ہے کہ جوہر کی نہ ہو قدر کہیں
پر قدر کہیں بغیر جوہر کے نہیں
عنبر کو نہ لیں مفت یہ امکاں ہے مگر
عنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی سرگین

طالب کو سوچ سمجھ کر پیر بنانا چاہیے

ہوں یا نہ ہوں پیر اہلِ عرفان و یقین
پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہوں ناداں کہیں
کانا ہے اسکو ہے احتیاج چار آنکھوں کی
اور ایک کی بھی ڈھونڈنے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے

ہیں جہل میں سب عالم و جاہل ہمسر
آتا نہیں فرق اس کے سوا ان میں نظر

[ط] دم دعوی اور قدم عمل ۱۲

عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا　　جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر　　یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنسکر
باقی نہ رہیگا کوئی انسان میں عیب　　ہو جائینگے پھل پھلا کے سب عیب ہنر

مسرف کو کیونکر فراغت حاصل ہو سکتی ہے

اک منعم مسرف نے عابد سے کہا　　کر میرے لیے حق سے فراغت کی دعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اُٹھا کر سوئے چرخ　　محتاج کر اس کو جلد اے بار خدا

کام کی جلدی

یاں رہنے کی مہلت کوئی کب پاتا ہے　　آتا ہے اگر آج تو کل جاتا ہے
جو کرنے ہیں کام اُن کو جلدی نپٹاؤ　　طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

غرض

ہے نفس میں انسان کے جبلی مرض　　ہر سعی پہ ہوتا ہے طلبگار عوض
جو خاص خدا کے لیے تھے کام کیے　　دیکھا تو وہاں اُنہیں بھی تھی کوئی غرض

انقلاب روزگار

بس بس کے ہزاروں گھر اُجڑ جاتے ہیں　　گڑ گڑ کے علم لاکھوں اُکھڑ جاتے ہیں
آج اس کی ہے نوبت تو کل اسکی باری　　بن بن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

تقاضائے سن

حالی کو جو کل افسردہ خاطر پایا　　پوچھا باعث تو ہنس کے فرمایا
رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی اُمید　　وہ وقت گئے اب اور موسم آیا

جسکو زندگانی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا

دُنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو　　روداد جہاں کو اک کہانی سمجھو

پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا — ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

آثار زوال

آبا کو زمین و ملک پہ اطمینان — اولاد کو سستی پہ قناعت کا گمان
بچے آوارہ اور بیکار جوان — ہیں اپنے گھرانے کوئی دن کے مہمان

نشان ادبار

صحرا میں جب آیا ایک چٹیل میدان — برسات میں سبزہ کا نہ تھا جس پہ نشان
مایوس تھے جس کے جوتنے سے دہقان — یاد آئی ہمیں قوم کے ادبار کی شان

نفاق کی علامت

ہر بزم میں آفرین کے لائق ہونا — شیریں سخنی سے شہد فائق ہونا
ممکن نہیں جب تک کہ ہو دل میں نفاق — آسان نہیں مقبول خلائق ہونا

مسلمانوں کی بے مہری

جب تک کہ نہ ہو دشمن اخوان یکتا — ہوتا نہیں مومن کا ایمان یکتا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے — سنتے ہیں کسی کو جب مسلمان یکتا

مکر و ریا

حالی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا — خطرہ انہیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھیڑیوں سے واجب ہے حذر — بھیڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہر قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت کے نشان — پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انسان
عاری ہیں لباس تربیت سے ورنہ — ہیں طوسی و رازی انہیں شکلوں میں نہاں

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال — غائب ہوا تو جہاں سے واں آیا زوال

اُن پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح — جن قوموں نے ٹھہرایا تجھ کو راس المال

علم

اے علم کلید گنج شادی تو ہے — سرچشمۂ نعما و آبادی تو ہے
آسایش دو جہاں ہے سایہ میں ترے — دنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

ایضاً

ہے تجھ سے جہاں جیسے مغرب کی زمین — مشرق کو وہ فیض تجھ سے اے علم نہیں
شاید اے علم ماہ نخشب کی طرح — رہتی ہیں شعاعیں تری محدود وہیں

خاندانی عزت

بیٹا نکلے جب تک ذلت سے — عزت نہیں اس کو باپ کی عزت سے
سوچو تو ہے کھرات کا نسب بھی عالی — پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا مجھ سے ہے عزت ہر جاں — فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشاں
عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیاں — میں بھید ہوں حق کا جو نہیں کھلتی زباں

توقع بیجا

ہیں یار رفیق پر مصیبت میں نہیں — ساتھی ہیں عزیز لیک ذلت میں نہیں
اس بات کی انسان سے توقع ہے عبث — جو نوع بشر کی خو و جبلت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جس قدر کمی اور بیشی — اتنی ہی مغایرت ہے بیگانی و خویشی
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر مآل — ضدین ہیں دوستی و دوراندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے — ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے

جس قوم کو عیش دوستا پاتا ہوں میں
کہتا ہوں کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

عیش و عشرت

اے عیش و طرب تونے جہان تاراج کیا
سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا
ویران کیا تونے نینوا اور بابل
بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

رونق ہی ہر اک بزم کی اب غیبت میں
بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں
اوروں کی برائی ہی پہ ہے فخر وہاں
خوبی کوئی باقی نہیں جس اُمت میں

عشق

اے عشق کیا تونے گھرانوں کو تباہ
پیروں کو خرف اور جوانوں کو تباہ
دیکھا سدا سلامتی میں تیری
قوموں کو ذلیل، خاندانوں کو تباہ

سبب زوال سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم
سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت
یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دنیا کو دیئے دین نے اسرار و حکم
دنیا نے کمر دین کی تھامی ہر دم
گر دین کی ممنون بہت ہے دنیا
دنیا کے بھی احسان نہیں دین پہ کم

آزادگان راستباز کی تکفیر

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ
کافر کہا اور کسی نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جب سلہ
لاتا ہے خدا کو اپنے دعوی پہ گواہ

سلہ یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزیں ہیں جنکا علم خدا کے سوا اور کسیکو نہیں ہو سکتا مثلاً شیخ اکبر کو بعضوں نے صدیق کہا ہے اور بعضوں نے زندیق اور یہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندیق خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا پس جس شخص میں کوئی صریحی اخلاقی برائی یا عیب موجود نہ ہو اسکی تکفیر یا تضلیل کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت نہ ملے اور وہ اپنے دعوی پر خدا کو گواہ قرار دے ۱۲

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پہ گر نظام جہان کا ہی مدار
اُس قوم کا جیتنا ہی حالی دشوار
عزت کی نہین ہے ہَوس کو ہرگز پروا
ذلت سے نہین ہو جس کو ہرگز کچھ عار

عفو باوجود قدرت انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بارخدا
مقبول ترا کون ہی بندون مین سوا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے
جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

سختی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہان تلک ہو دیجے تسکین
زہر اُسکے گلو کوئی تو کیجے باتین شیرین
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے
اِس عارضہ کا علاج بالمثل نہین

ہمت

تیمور نے اک مورچہ زیر دیوار
دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لیکر سو بار
آخر سر بام لیکے پہونچا تو کہا
مشکل نہین کوئی پیش ہمت دشوار

کم ہمتی

جبریہ و قدریہ کی بحث و تکرار
دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور
جو باہمت تھے بن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجام ہے جو کفر کی طغیانی کا
ثمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
لذت سے ندامتون کی جا ناہینے
دوزخ بھی ہی اک نام پشیمانی کا

تاسف بوفات نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم نیر تخلص دہلوی

قمری ہے نہ طاؤس نہ کبک طناز
آتے ہی خزان کے کر گئے سب پرواز

تھی باغ کی یادگار اک بلبل زار ۔ سو اُسکی بھی گل سے نہیں آتی آواز

ایضاً

غالبؔ ہے نہ شیفتہ نہ نیرؔ باقی ۔ وحشتؔ ہے نہ سالکؔ ہے نہ انورؔ باقی
حالیؔ اب اسی کو بزم یاران سمجھو ۔ یارون کے جو کچھ داغ ہین دل پر باقی

محنت

محنت ہی کے پھل ہین یہان ہر اک دامن مین ۔ محنت ہی کی برکتین ہین ہر خرمن مین
موسیٰؑ کو ملی نہ قوم کی چوپانی ۔ جب تک نہ چرائین بکریان مدین مین

گدائی کی ترغیب

اک مرد توانا کو جو سائل پایا ۔ کی مین نے ملامت اور بہت شرمایا
بولا کہ یہ اُن کا اُن کی گردن پہ وبال ۔ دے دے کے جنھون نے مانگنا سکھلایا

تکفیر اہل اسلام

کہنا فقہا کا مومنون کو بے دین ۔ سنتے سنتے یہ ہوگیا ہم کو یقین
مومن سے ضرور ہوگا عقیدہ مین اِل ۔ تکفیر بھی کی گئی فقہا سے کہ نہین

ترک عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہم سے سوگواری سن لو ۔ کچھ چشم جہان مین اپنی خواری سن لو
افسانہ قیس و کوہکن یاد نہین ۔ چاہو تو کتھا ہم سے ہماری سن لو

تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے ۔ اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد ۔ دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

ف یہ اُن شعرائے دہلی کے نام ہین جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختصاص رہا ہے عام اس سے کہ وہ مشہور و نامور ہون یا نہون ۱۲ (حالی)

اول کوشش اور بعد دعا

کوشش میں ہے شرط ابتدا انساں سے — پھر چاہیے مانگنی مدد یزداں سے
جب تک کہ نہ کام دست و بازو سے لیا[لہ] — پائی نہ نجات نوح نے طوفاں سے

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے ربط کے ساتھ کام انساں کیلیے — بنتی نہیں زندگی میں بے کام کیے
جیتے ہو تو کچھ کیجیے زندوں کی طرح — مُردوں کی طرح جیے تو کیا خاک جیے

جھوٹی نمایش

ہیں جھوٹ کے سچ میں سب سمونے والے — بننے والوں سے کم ہیں ہونے والے
گھڑیاں رہتی ہیں جنکی جیبوں میں مدام — اکثر ہیں وہی وقت کے کھونے والے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہنر ہوں ذات میں جس کی ہزار — بدظن نہو عیب اس میں اگر ہوں دو چار
طاؤس کے پائے زشت پر کرکے نظر — کر حسن و جمال کا نہ اُس کے انکار

سکوت درویش جاہل

مصروف جو یوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ — خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں تو کچھ منہ سے یا نہ بولیں حضرت — معلوم ہے ہمکو جتنے پانی میں ہیں آپ

ملحدوں کا طعن مسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک منکر قرآن و خبر — کیا لیں گے یہ اہل قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں ورنہ — کتا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

لہ یعنے جب تک کہ کشتی نہ بنائی ۱۲

دہری کا الزام گور پرست پر

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا ہے نا شناس کوئی جہان مین تجھسا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر اُس سے بھی گیا کہ جسکے لاکھون ہون خدا

دانا کا حال نادانون مین

کیا فرق ہے سامعین مین جو صحبت کا اثر دانائی کی باتون مین وہ نادانون مین
غربت مین ہو اجنبی مسافر جیسے دانا کا یہی حال ہے نادانون مین

ریفارمر کی ہمت

دھونے کی ہے اے ریفارمر جا باقی کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبا باقی
دھو شوق سے دھبے کو پر اتنا نہ رگڑ دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف سن کر آپے سے جانا

تعریف سے کھل جاتے ہین نادان اکثر داناؤن سے لیکن نہین یہ کچھ دور
ہوتے ہین اپنے سے وہ باہر سن کر مقصود ہے جنکو ہو ستایش کچھ اور

حسن ظن اصل حال نہین کھلنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہین نیکی مین شک اسکی کوئی لایا ہی نہین
ہو سکتا ہے اس مین بھی شاید کچھ کھوٹ پر اسکو کسی نے یان تپایا ہی نہین

دینداروں کی برائیان دین کو عیب لگاتی ہین

پائے نہین تو جو حال اہل اسلام اسلام پہ طعنہ زن ہین اقوام تمام
بد پرہیزی سے بگڑے اپنے بیمار اور مفت مین ہو گیا مسیحا بدنام

فکر عقبیٰ

منزل ہے بعید باندھ لو زاد سفر مہلت ہے بہت تھوڑی گذشتنی کی جگہ

گاہک جو کسی ہو لیجیو مال کھرا
ہلکا کرو بوجھ ہے کٹھن راہگذر

انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسان
ممکن ہو بدی کا نہ رہے آہین نشان
ممکن تو ہے سب کچھ پہ حقیقت یہ ہے
انسان ہو اب تک وہی قرن الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر چند برا ہے عشق کا سب کے مآل
پر عشق میں ہے شاہ کو خصوصاً وبال
سلطان ہے اگر ظل الٰہی تو عشق
ہے ظل الٰہی کے لیے وقت زوال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ
پر تجھ سے بگڑنے کا نہیں ہے یارا
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی
پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

بڑھاپے میں موت کے لیے ہشیار رہنا چاہیے

کی طاعت نفس میں بہت عمر بسر
انجام کی رکھی نہ جوانی میں خبر
کیفیت شب اٹھا چکو اب حالی
مجلس کرو برخاست ہوا وقت سحر

دولت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈر ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا
زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
جسطرح کہ سونے کی کسوٹی ہے محک
ہے جوہر انسان کی کسوٹی سونا

حد سے زیادہ غصہ قابل عفو ہے

غصہ پہ کسی کے غصہ آتا ہے وہین
جبتک کہ رہے وہ عقل و دانش کے قرین
آپے سے جب اپنے ہو گیا تو باہر
پھر کس سے ہون آزردہ کہ تو تو ہی نہین

سفہا کی مدح و ذم

کرتے ہین سفیہ اگر مذمت تیری
کر شکر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری

پیر مدح کریں وہ گر نصیب اعدا　　رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری

مرض پیری لاعلاج ہے

اب ضعف کے پنجہ سے نکلنا معلوم　　پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
کھوئی ہے وہ چیز جسکا پانا ہے محال　　آتا ہے وہ وقت جس کا ٹلنا معلوم

اسراف

مسرف نہ بس اپنے حق ہیں کانٹے بوئیں　　نعمت خدا کی رائگاں یوں کھوئیں
گر بخل پہ لوگ اُن کے ہنسیں تو بہتر ہے　　اس سے کہ فضولیوں پہ اُن کی روئیں

ردّ سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ صواب　　زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب
بدتر ہے ہزار بار ایسی دوں ہمت　　سائل کے سوال سے ترا تلخ جواب

کھانا بغیر بھوک کے مزا نہیں دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں ہمیں　　جو دیکھ کے چکھ کے دل سے بھائے ہیں ہمیں
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک　　جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہمیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال　　مہمان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی　　اندیشۂ فوت ہو نہ ہو خوف زوال

اچھوں کو برا سننے میں بھی مزا آتا ہے

رکھتے نہیں وہ مدح و ثنا کی پروا　　جو کر کے بھلا خلق سے سنتے ہیں برا
ان گالیوں کا ہے جنکو چسکا حالی　　آتا نہیں اُن کو کچھ دعاؤں میں مزا

شکریۂ مدح کلام راقم[1]

جوش خم بادہ جام خالی پہ ہوا — پھر ولولہ پیدا دل حالی مین ہوا
تسلیم نے دی کچھ اسطرح داد سخن — مجکو بھی شک اپنی بے کمالی مین ہوا

احسان بے منت

احسان کیے ہے گر صلہ کی خواہش تمکو — تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احسان نہ کرو
کرتے ہو اگر احسان تو کر دو اُسے عام — اتنا کہ جہان مین کوئی ممنون نہو

قانون بد اخلاقی سے مانع نہین ہوتے

قانون ہین بیشتر یقینا بیکار — حاشا کہ ہو اُن پہ نظم عالم کا مدار
جو نیک ہین اُنکو نہین حاجت اُنکی — اور بد نہین بنتے نیک اُن سے زنہار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہین

حق بول کے اہل شر سے اڑنا کہ نہین — بھڑکے گی مدافعت سے اور آتش کین
گر چاہتے ہو کہ چپ رہین اہل خلاف — جز ترک جواب کوئی تدبیر نہین

ٹیکس

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہین ٹل — اک وقت سے اپنے تو نہین ٹلتی اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اُٹھکر کہ حضور — ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہون نہ ایسا ہون مین — اور جیسا سمجھتا ہون نہ ویسا ہون مین
اپنے سے بھی عیب ہون چھپاتا اپنے — بس مجکو ہی معلوم ہے جیسا ہون مین

---

[1] مولوی سلیم الدین مرحوم نارنولی مقیم پونہ متخلص بہ تسلیم نے چند قطعے اُردو فارسی کے راقم کے کلام کی ستایش مین اسوقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکر شعر کا اتفاق نہین ہوا تھا۔ اُن قطعون کے جواب مین یہ رباعی لکھی گئی تھی ۱۲

بڑھاپے مین عاشقی کا دم بھرنا

آہین پیری مین شیخ ابھرتے نہین یون — دل دیتے ہین پر جی سے گذرتے نہین یون
تھے تم تو ہر اک قید سے آزاد سدا — جو جیتے ہین اس طرح وہ مرتے نہین یون

واعظون کی سخت کلامی

اک گبر نے پوچھے جو اصول اسلام — واعظ نے درشتی سے کیا اُس سے کلام
بولا کہ حضور معتقد ہون جس کے — ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام

نواب وقار الامرا اقبال الدولہ بہادر کی شان مین

توفیق[1] نے اُس کی چھوڑ دی ہمراہی — اقبال پہ جس نے فتحیابی پائی
حالی سے جائے کون بازی ان سے — ہے جن کی رگون مین خون آصفجاہی

[1] یہ رباعی ۱۳۰۳ھ مین جبکہ راقم حیدرآباد مین مقیم تھا اور نواب وقار الملک بمبئی سے پولو مین بازی جیت کر آئے تھے لکھی تھی مگر اُنکی خدمت مین بھیجی نہین گئی خون آصفجاہی مین اس بات کا اشارہ ہی کہ حضور سے قرابت قریبہ رکھتے ہین اور اقبال کے لفظ مین اُنکے خطاب کی طرف اشارہ ہی ۱۲

رباعیات قدیم

ہو عیب کی خو کہ ہو ہنر کی عادت — مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
چھٹتے ہی چھٹے گا اس گلی میں جانا — عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

مرنے پہ مرے وہ روز و شب روئینگے — جب یاد کرینگے مجھے تب روئینگے
الفت پہ وفا پہ جاں نثاری پہ مری — آگے نہیں روتے تھے تو اب روئینگے

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گذرے — اک خستہ جگر کی رات کیونکر گذرے
گذری نہ جب بغیر یاں ایک گھڑی — یہ چار پہر کی رات کیونکر گذرے

یاد اسکی یہاں ورد مدام اپنا ہے — خالی نہ ہوا کبھی وہ جام اپنا ہے
کسطرح نہ لیجیے کہ ہے نام اُس کا — کسطرح نہ کیجیے کہ کام اپنا ہے

کیا پاس تھا قول حق کا اللہ اللہ — تنہا تھے اور اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
میں اور اطاعت یزید گمراہ!!! — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

حُر کہتا تھا اپنے دل سے شہ سجاد سے مل — گمرہ نہ ہو رہبر حق آگاہ سے مل
سرگشتگی کوئے ضلالت کب تک — اللہ سے ملنا ہے تو چل شاہ سے مل

گر کفر میں فرعون کا ثانی نکلا — اک شام میں بیداد کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ تھاہ بحر غفلت کی یزید — واں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

قصیدے ترکیب بند۔ مسدس۔ اور چند قطعے مختلف مضامین پر بہ ترتیب اوقات تحریر

۱ قصیدۂ نعتیہ[1]

بنے ہیں مدحت سلطان دوجہاں کے لیے / سخن زبان کے لیے اور زبان دہان کے لیے
وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں / عداوت اس کی عذاب الیم جان کے لیے
وہ شاہ جسکا محب امن و عافیت میں مدام / محبت اسکی حصار حصین امان کے لیے
وہ چاند جس سے ہوئی ظلمت جہان معدوم / رہا نہ تفرقہ روز و شب زمان کے لیے
وہ پھول جس سے ہوئی اسکی باغبان مشکور / رہی نہ آمد و رفت چمن خزان کے لیے
ہلال مکہ کا۔ ماہ دو ہفتہ یثرب کا / فروغ قوم کے۔ اور شمع دودمان کے لیے
گھر اس کا مورد قرآن و مہبط جبریل / در اس کا کعبۂ مقصود انس و جان کے لیے
سپہر گرم طواف اُس کی بارگاہ کے گرد / زمین سر بسجود اسکے آستان کے لیے
وہ لحظہ لحظہ تفقد وہ دمبدم الطاف / رضائے خاطر یاران جانفشان کے لیے
وہ گونہ گونہ مدارا وہ بات بات میں مہر / کشایش گرہ کین دشمنان کے لیے
کہ افتخار مقابل میں اہل نخوت کے / گہ انکسار مدارات میہمان کے لیے
کہیں ہلاک میں تاخیر قوم سرکش کے / کہیں نیاز میں تعجیل ناتوان کے لیے

۱؎ یہ قصیدہ ۱۲۸۱ھ کا لکھا ہوا ہے اس سے پہلے نعت میں کبھی کچھ نہیں لکھا گیا اسکو اپنی قدیم شاعری کا نمونہ سمجھ کر بدستور سابق رہنے دیا ہے کہیں کچھ تصرف نہیں کیا گیا ۱۲

صفائے قلب حسودان کینہ خواہ کے ساتھ
دعائے خیر بداندیش و بدگمان کے لیے

کہین مقدمۃ الجیش انبیا و رسل
کہین وہ خاتمۃ الباب داستان کے لیے

مدینہ مرجع و ماوائے اہل مکہ ہوا
مکین سے رتبہ یہ حاصل ہوا مکان کے لیے

اسی شرف کے طلبگار تھے کلیم و مسیح
نوید امت پیغمبر زمان کے لیے

بس اب نہ غول کا کھٹکا نہ راہزن کا خطر
ہوا وہ قافلہ سالار کاروان کے لیے

شفیع خلق سراسر خدا کی رحمت ہے
بشارت امت عاصی و ناتوان کے لیے

شفاعت نبوی ہے وہ برق عصیان سوز
کہ حکم خس ہے جہان کفر دو جہان کے لیے

خدا کی ذات کریم اور نبی کا خلق عظیم
گنہ کرین تو کرین رخصت انس و جان کے لیے

اسی کا دین ہے کہ ہے گلشن ہمیشہ بہار
وگرنہ ہر گل و گلزار ہے خزان کے لیے

عبور بحر عصیان سے کس طرح ہو۔ اگر
وہ ناخدا نہو اس بحر بیکران کے لیے

مریض حرص نہ ہوا پائے کب شفا جبتک
وہ چارہ گر نہو اس دردجانستان کے لیے

نہ حرف و صوت مین وسعت نہ کام و لب مین سکت
حقیقت شب معراج کے بیان کے لیے

ارادہ عرش تک اک آن مین پہونچنے کا
کیا تھا عزم اولوالعزم نے کہان کے لیے

کرم کا دیکھیے دامن کہان تلک ہو فراخ
ہو میزبان خدا جب کہ میہمان کے لیے

زمین پہ ٹھہرا ہے ماوا ہی شاہ عرش نشین
رہی نہ اب کوئی فوقیت آسمان کے لیے

اسی سے ہوتا ہے ظاہر عیار استعداد
محک ہے حب نبی دل کے امتحان کے لیے

اگر نصیب ہو یثرب مین جا کے شربت مرگ
پیون نہ آب بقا عمر جاودان کے لیے

اگر بقیع مین گز بھر زمین میسر آئے
کرون نہ طول امل روضۂ جنان کے لیے

سمایا اس کا جو نقش قدم تصور مین
ہجوم شوق مین بوسے کہان کہان کے لیے

حریف نعت پیمبر نہین سخن حالی
کہان سے لائیے اعجاز اس بیان کے لیے

نبی کا نام ہو ورد زبان رہے جب تک
سخن زبان کیلیے اور زبان دہان کے لیے

۲- ترکیب بند مرثیہ ۱۲۸۵ ہجری

مرثیہ جناب مرزا اسد اللہ خان مرحوم دہلوی متخلص غالب

کیا کہوں حال درد پنہانی	وقت کوتاہ و قصہ طولانی
عیش دنیا سے ہو گیا دل سرد	دیکھ کر رنگ عالم فانی
کچھ نہیں جز طلسم خواب و خیال	گوشۂ فقر و بزم سلطانی
ہے سراسر فریب وہم و گمان	تاج فغفور و تخت خاقانی
بے حقیقت ہے شکل موج سراب	جام جمشید و راح ریحانی
لفظ مہمل ہے نطق اعرابی	حرف باطل ہے عقل یونانی
ایک دھوکا ہے لحن داؤدی	اک تماشا ہے حسن کنعانی
نہ کروں تشنگی میں تر لب خشک	چشمۂ خضر کا ہو گر پانی
لوں نہ اک مشت خاک کے بدلے	گر ملے خاتم سلیمانی

بحر ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

جس سے دنیا نے آشنائی کی	اُس سے آخر کو کج ادائی کی
تجھ پہ بھولے کوئی عبث اے عمر	تو نے کی جس سے بیوفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ	ہاں قسم مجھ کو آشنائی کی
ہے وہ بے مہر ہے کہ ہے اسکی	صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے یہاں حفظ وصل سے محروم	جسکو طاقت ہو جدائی کی
ہے یہاں حفظ وضع سے مایوس	جسکو عادت ہو گدائی کی

خندۂ گل سے بے بقا تر ہے | شان ہو جس مین دلربائی کی
جنس کاسد سے ناروا تر ہے | خوبیان جسمین ہون خدائی کی
بات بگڑی رہی سہی افسوس | آج خاقانی و سنائی کی

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

بلبل ہند مر گیا ہیہات | جسکی تھی بات بات مین اک بات
نکتہ دان نکتہ سنج نکتہ شناس | پاک دل پاک ذات پاک صفات
شیخ اور بذلہ سنج شوخ مزاج | رند اور مرجع کرام و ثقات
لاکھ مضمون اور اسکا ایک ٹھٹول | سو تکلف اور اسکی سیدھی بات
دل مین چبھتا تھا وہ اگر مثل | دنکو کہتا تھا دن اور رات کو رات
ہو گیا نقش دل پہ جو لکھا | قلم اس کا تھا اور اس کی دوات
تھین تو دلی مین اسکی باتین تھین | لیچلین اب وطن کو کیا سوغات
اسکے مرنے سے مر گئی دلی | خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
یان اگر بزم تھی تو اس کی بزم | یان اگر ذات تھی تو اسکی ذات
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا | شہر مین اک چراغ تھا نہ رہا
دل کو باتین جب اسکی یاد آئین | کسکی باتون سے دل کو بہلائین
کسکو جا کر سنائین شعر و غزل | کس سے داد سخنوری پائین
مرثیہ اس کا لکھتے ہین احباب | کس سے اصلاح لین کدھر جائین
پست مضمون ہے نوحۂ استاد | کس طرح آسمان پہ پہونچائین
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہین | اہل میت جنازہ ٹھہرائین
لائینگے پھر کہان سے غالب کو | سوے مدفن ابھی نہ لے جائین

اسکو اگلون پہ کیون نہ دین ترجیح — اہل انصاف غور فرمائین
قدسی و صائب و اسیر و کلیم — لوگ جو چاہین انکو ٹھہرائین
ہمنے سب کا کلام دیکھا ہے — ہے ادب شرط منھ نہ کھلوائین

غالبِ نکتہ دان سے کیا نسبت
خاک کو آسمان سے کیا نسبت

نثر حسن و جمال کی صورت — نظم غنج و دلال کی صورت
تہنیت اک نشاط کی تصویر — تعزیت اک ملال کی صورت
قال اُس کا وہ آئنہ جس مین — نظر آتی تھی حال کی صورت
اس کی توجیہ سے پکڑتی تھی — شکل امکان محال کی صورت
اس کی تاویل سے بدلتی تھی — رنگ ہجران وصال کی صورت
لطف آغاز سے دکھاتا تھا — سخن اُس کا مآل کی صورت
چشم دوران سے آج چھپتی ہے — انوری و کمال کی صورت
لوح امکان سے آج مٹتی ہے — علم و فضل و کمال کی صورت
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے — غالبِ بےمثال کی صورت

اب نہ دنیا مین آئین گے یہ لوگ
کہین ڈھونڈھے نہ پائینگے یہ لوگ

شہر مین جو ہے سوگوار ہے آج — اپنا بیگانہ اشکبار ہے آج
نازش خلق کا محل نہ رہا — رحلتِ فخر روزگار ہے آج
تھا زمانے مین ایک رنگین طبع — رخصتِ موسم بہار ہے آج
بار احباب جو اٹھاتا تھا — دوش احباب پہ سوار ہے آج
تھی ہر اک بات نیشتر جس کی — اسکی چپ سے جگر فگار ہے آج

دل میں مدت سے تھی خلش جسکی — وہی برچھی جگر کے پار ہے آج
دل مضطر کو کون دے تسکین — ماتم یار غمگسار ہے آج
تلخی غم کہی نہیں جاتی — جان شیرین بھی ناگوار ہے آج
کس کو لاتے ہیں بہر دفن کہ قبر — ہمہ تن چشم انتظار ہے آج

غم سے بھرتا نہیں دل ناشاد
کس سے خالی ہوا جہان آباد

نقد معنی کا گنجدان نہ رہا — خوان مضمون کا میزبان نہ رہا
ساتھ اُس کے گئی بہار سخن — اب کچھ اندیشہ خزان نہ رہا
ہوا ایک ایک کاروان سالار — کوئی سالار کاروان نہ رہا
رونق حسن تھا بیان اسکا — گرم بازار گل رخان نہ رہا
عشق کا نام اس سے روشن تھا — قیس و فرہاد کا نشان نہ رہا
ہو چکیں حسن و عشق کی باتیں — گل و بلبل کا ترجمان نہ رہا
اہل ہند اب کرینگے کس پہ ناز — رشک شیراز و اصفہان نہ رہا
زندہ کیونکر رہے گا نام ملوک — بادشاہوں کا مدح خوان نہ رہا
کوئی ویسا نظر نہیں آتا — وہ زمین اور وہ آسمان نہ رہا

اٹھ گیا تھا جو مایہ دار سخن
کس کو ٹھہرائیں اب مدار سخن

کیا ہے جسمیں وہ مرد کار نہ تھا — اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا
شاعری کا کیا حق اس نے ادا — پر کوئی اس کا حق گزار نہ تھا
بے صلہ مدح و شعر بے تحسین — سخن اس کا کسی پہ بار نہ تھا
نذر سائل تھی جان تک لیکن — قطعہ — درخور ہمت اقتدار نہ تھا

ملک و دولت سے بہرہ ور نہوا　　قطعہ ۲　　جان دینے پہ اختیار نہ تھا

خاکساروں سے خاکساری تھی　　سربلندوں سے انکسار نہ تھا

لب پہ احباب سے بھی تھا نہ گلا　　دلمین اعدا سے بھی غبار نہ تھا

بے ریائی تھی زہد کے بدلے　　زہد اُس کا اگر شعار نہ تھا

ایسے پیدا کہان ہین مست خراب　　ہمنے مانا کہ ہوشیار نہ تھا

مظہر شان حسن فطرت تھا
معنی لفظ آدمیت تھا

کچھ نہین فرق باغ و زندان مین　　آج بلبل نہین گلستان مین

شہر سارا بنا ہے بیت حزن　　ایک یوسف نہین جو کنعان مین

ملک یکسر ہوا ہے بے آئین　　اک فلاطون نہین جو یونان مین

ختم تھی اک زبان پہ شیرینی　　ڈھونڈتے کیا ہو سیب و رمان مین

حصر تھی اک بیان مین نمکینی　　کیا دھرا ہے عقیق و مرجان مین

لب جادو بیان ہوا خاموش　　گوش گل وا ہے کیون گلستان مین

گوش معنی شنو ہوا بیکار　　مرغ کیون نعرہ زن ہے بستان مین

وہ گیا جس سے بزم روشن تھی　　شمع جلتی ہے کیون شبستان مین

نہ رہا جس سے تھا فروغ نظر　　سرمہ بنتا ہے کیون صفاہان مین

ماہ کامل مین آگئی ظلمت
آب حیوان پہ چھا گئی ظلمت

ہند مین نام پائیگا اب کون　　سکہ اپنا بٹھائے گا اب کون

ہمنے جانی ہے اس سے قدر سلف　　ان پہ ایمان لائیگا اب کون

اس نے سب کو بھلا دیا دل سے　　اسکو دل سے بھلائیگا اب کون

تھی کسی کی نہ جس میں گنجائش ۔ وہ جگہ دل میں پائیگا اب کون
اس سے ملنے کو یاں ہم آتے تھے ۔ جا کے دلّی سے آئیگا اب کون
مر گیا قدردانِ فہمِ سخن ۔ شعر ہم کو سنائیگا اب کون
مر گیا تشنۂ مذاقِ کلام ۔ ہم کو گھر سے بلائیگا اب کون
تھا بساطِ سخن میں شاطر ایک ۔ ہم کو چالیں بتائیگا اب کون
شعر میں نامِ تام ہے حالی ۔ غزل اس کی بنائیگا اب کون
کُنَّا فِیْہِ مِنْ بُکَاءٍ وَ عَوِیْل ۔ رَحِیْتَابِہٖ مَعَ الزَّمَانِ الطَّوِیْلِ

۳۔ قصیدۂ نعتیہ

میں بھی ہوں حُسنِ طبع پر مغرور ۔ مجھ سے اٹھیں گے اُنکے ناز ضرور
خاک ہوں اور عرش پر ہے دماغ ۔ مجھ سے برتر ہے میری طبعِ غیور
خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے ۔ میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور

ے اس قصیدہ کی تمہید ۱۲۸۱ھ یا ۱۲۸۲ھ کے خیالات میں سے ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ دلی میں نامی شعرا کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مومن۔ ذوق۔ آزردہ۔ غالب۔ اور شیفتہ ایک کے بعد ایک رخصت ہو چکے ہیں اور میدان بالکل خالی ہے۔ انھیں دنوں میں سیتارام کے بازار میں ایک مشاعرہ قرار پایا مصرع طرح پر غزلیں بڑے دعوے سے لکھیں جن کو سننے کی جا بیجا تحسین و آفرین سے دماغ میں خلل آگیا تھا اور جن کی داد کی توقع پر وہ غزلیں لکھی تھیں وہ کسی وجہ سے باوجود اصرار کے مشاعرہ میں نہ آئے۔ سوا اپنے خریدار کی بے التفاتی سے شاید ایسی کسمپرسی نہیں ہوتی ہے اکثر شاعر ان لوگوں کی بے التفاتی سے جنکو وہ سچ مچ اپنے شعر کا قدردان سمجھتا ہے اسی خام خیالی کے جوش میں اس قصیدہ کی طرح پر تمہید لکھی گئی تھی مطلب یہ تھا کہ اگر لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو ہم آپ ہی اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں کیونکہ اس زمانہ کے خیالات کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جسطرح آج کل تجارت کی گرم بازاری اشتہارات کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح شاعری بھی منوانے سے مانی جاتی ہے۔ لیکن جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعتاً اپنی غلطی پر تنبیہ ہوا۔ لہذا قصیدہ کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا تاکہ فخر کے لیے ایک وجہ پیدا ہو جائے ۔

نہ گنوا اہل عصر مین مجھکو — مین بہت کھینچتا ہون آپ کو دور
چشمۂ آب خضر کی مانند — چشم اہل جہان سے ہون مستور
دل سے داد اپنی لے چکا ہون بہت — مجھکو پروا نہین کہ ہون مشہور
مثل یوسف دکھائے جوہر ذات — جسکو بکنا ہو شست بازار منظور
جیسے شہباز ہو قفس مین اسیر ۱ — ہون زمانہ کے ہاتھ سے مجبور
کبک و قمری کو رخصت پرواز ۲ — بال و پر بستہ صعوہ و عصفور
جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہون مین — اس سے شکوہ نہین کہ ہے معذور
لذت مے سے جو نہ ہو آگاہ — اُس کو کیا قدر خوشۂ انگور
جسکے آنکھین نہ ہون وہ کیا جانے — روز روشن ہے یا شب دیجور
چپ سلی ہوگی کسی کو قدر ہنر — اُٹھ گیا اب جہان سے یہ دستور
درد دل کا بیان کرون کس سے — بات کوئی نہین سنے مجھے منظور
سخن حق کی داد دون کس سے — سن چکا ہون فسانۂ منصور
دل آباد و مفت بے ہنران — ہو چکا خانۂ ہنر معمور
مژدہ خسرو کو وصل شیرین کا — ہو چکی سعی کوہکن مشکور
ہمنے دیکھی تمیز اہل نظر — ہمنے دیکھا مذاق اہل شعور
ہے غرض ان کو صوت موزون سے — نالۂ دل ہو یا نوائے طیور
ہو کسی شے سے ان کی گرمی بزم — داستان ہو وہ یا کہ درس زبور
ہے فقط روشنی سے ان کو کام — موم ہو یا اصل شمع یا کافور
ہے یہان قائل انا مردود — ہو وہ فرعون وقت یا منصور
آپ اپنے سخن سے ہون محظوظ — دل اصحاب گو نہ ہو مسرور
یان اگر کام ہے تو شیرین سے — قصر خسرو کے اور ہین مزدور

دل احباب پر نہیں چلتا | سحر میرا کہ رہیو غیر سے دور
ہون تماشائے شہر نابینا | ہے برابر مرا خفا و ظہور
دُر یکتا ہون اور ہون بے آب | ماہ کامل ہون اور ہون بے نور
چشمہ پیدا و کاروان تشنہ | بادہ پُر زور و انجمن مخمور
اس زمانے مین وہ غریب ہون مین | جو وطن سے ہو لاکھ منزل دور
صاحب قدر و جاہ ہے جبتک | کارفرما ہے چین مین فغفور
کاش اس عہد مین مجھے پاتے | تھا سخن جب کہ قبلۂ جمہور
کاش وان دیکھتے مجھے کہ جہان | متنبی تھا مادح کافور
کون سمجھے مجھے کہ ہون کیا چیز | انوری ہے نہ عرفی و شاپور
کون دیکھے مرے چمن کی بہار | مر گیا عندلیب[1] نیشاپور
جس سے ہوتا ہے خستہ سینۂ ہوش | ہے زبان میری وہ دم ساطور
جس سے ہوتا ہے کور پروانہ | ہے مری شمع مین وہ لمعۂ نور
شرح نقطہ کی گر کرون تحریر | تنگ ہو عرصۂ نقوش و سطور
ترک عشق بتان کرین عشاق | مجھ سے سن پائین گر ستایش حور
گر کرون ذکر لذت طاعت | تلخ کر دون مذاق فسق و فجور
چھیڑ دون گر فسانۂ فرہاد | دل خسرو مین ڈالدون ناسور
کرنے جاؤن جو حق سے عذر گناہ | لے کے آؤن نوید عفو قصور
لون ملائک سے داد حسن کلام | گر لکھون نعت سرور جمہور
وہ شہنشاہ اُمتی جس کا | یان گنہگار اور وان مغفور

[1] عندلیب نیشاپور سے مراد نظیری ہے۔ لیکن اگر وہ ہوتا تو اس سے زیادہ اور کیا قدر کرتا جیسا کہ شیخ علی حزین نے سودا کی نسبت کہا تھا کہ در پوچ گویان ہند غنیمت است ۱۲

وہ خداوند خدائی جس کا
یان سبکسار اور وان ماجور

مژدہ اے مستضعف کہ یان
سعی ہوتی ہے بے کیے مشکور

لب شیرین کلام سے اسکے
دوست بھی شاد غیر بھی مسرور

اثر فیض عام سے اس کے
کعبہ آباد و بتکدہ معمور

چرخ کو دے اگر وہ حلم سکون
ہو غلط نسخۂ سنین و شہور

صرصر قہر گر چلے اس کی
بند ہو مسلک صبا و دبور

جس طرف ہو وہ گرم نظارہ
جلوہ گر ہو اُدھر سے لمعۂ طور

ہو جہان لطف سے وہ سایہ فگن
موجزن ہو وہان سے چشمۂ نور

بات پوچھو تو سوے چرخ نگاہ
سینہ دیکھو تو علم کا گنجور

ہو سکے اس کی خوبیون کا شمار
نعمتین حق کی ہون اگر محصور

اے ترا پایہ فہم سے برتر
اے ترا نام عرش پر مسطور

مین ترے در پہ سُن کے آیا ہون
نام تیرا شفیع روز نشور

کچھ نہین زاد راہ پاس اپنے
مگر امید عفو رب غفور

طبع غالب ہے اور مین مغلوب
نفس قاہر ہے اور مین مقہور

بحر غفلت مین ہون سراسر غرق
نشۂ کبر مین ہون بالکل چور

چھوڑتی ہی نہین خودی دامن
ہون بہت اپنے ہاتھ سے مجبور

مہر فرزند و خواہش زر و سیم
طمع جاہ و فکر عیش و سرور

ایک بیمار اور سو آزار
ایک رنجور اور سو ناسور

نفس امارہ اور یہ جو ہمرہ
یہ ہے اتنی تو وہ ہے کلب عقور

مجھ سے جو کام چاہیے لیجے
جھوٹ ہو یا فریب ہو یا زور

حسد و بغض و غیبت و بہتان
بخل و حرص و ہوا و فسق و فجور

ایک جو مجھ سے بن نہین آتی　　ہے وہ خدمت کہ جسپہ ہون مامور
دل لگے بندگی مین کیا امکان　　لب سے ہے ذکرِ حق مین کیا مذکور
مایۂ عقل ہے نہ شورِ جنون　　دل شکیبا ہے نہ جانِ صبور
نہ معاصی مین تلخیِ خجلت　　نہ عبادت مین چاشنیِ حضور
فی المثل ہے مری مسلمانی　　جیسے زنگی کا نام ہو کافور
ہان مگر کچھ امید بندھتی ہے　　تیرے زمرے مین گر ہوا محشور
جب ترے کاروان مین جا پہونچا　　پھر رہا اب خلد کتنی دور؟
دوریِ آستانِ والا سے　　ہے بہت تنگ حالیِ مہجور
لب دعا پر ہے اے شفیعِ اُمم　　بسکہ بیتاب ہے دلِ رنجور
جا لگے تیرے در پہ کشتیِ عمر　　جب کرے وہ بحرِ زندگی سے عبور

جیتے جی دل مین یاد ہو تیری
مرتے دم لب پہ ہو ترا مذکور

[۱] قصیدۂ مدحیۂ ناتمام

نواب کلب علی خان مرحوم رئیس رامپور کی شان مین

ظلِّ حق کلبِ علیخان جسکے بذلِ جود کے　　ہند سے لے تا عرب ہین خاص و عامی گواہ
صاحبِ علم و عمل اور تابعِ احکامِ دین　　زائرِ قبرِ نبی اور حاجیِ بیت الہدیٰ

[۱] یہ قصیدہ ۱۲۹۱ھ مین اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ نواب ممدوح علی گڑھ کے مدرسۃ العلوم کا پیٹرن ہونا منظور کر چکے تھے اور بارہ سو روپیہ سال کی جاگیر ہمیشہ کے لیے مدرسہ کے اخراجات کے واسطے اور کئی ہزار روپیہ نقد بطور چندہ کے دے چکے تھے مگر مصلحتاً ان کی خدمت مین بھیجا نہین گیا اور اسی لیے ناتمام رہا۔ اسکے اول و آخر کے کچھ اشعار ضائع بھی ہوگئے ہین ۱۲

شاعری مین فردِ موسیقی مین فارابی عصر — صوت روح افزا و صورت آیۂ صنعِ خدا
دولتِ برطانیہ پر اُس کی فرزندی کا حق — دولتِ عثمانیہ کو اس سے پیوندِ ولا
اسکی ہیبت سے لرزتے ہین مقرب اور جلیس — اور مروت پہ ہین نازان مجرم و اہلِ خطا
مرجعِ اربابِ علم و فن ہے اس کا بابِ فیض — قطعہ ۱ — یہ وہ دعوی ہے کہ خود دربار ہے اس کا گوا
گل نہین ہند مین تھے جو درخت باردار — ۲ — اُن کو چُن چُن کر یہان لایا چمن بندِ سخا
گر مناظر ہین تو ہین سرِ دفترِ اہلِ کلام — ۳ — اور محدث ہین تو ہین سرچشمۂ علمِ ہدےٰ
زمرۂ اہلِ یقین یا مجمعِ اہلِ سلوک — ۴ — نکتہ چینانِ محبطی خردہ گیرانِ شفا
شاعرِ شیرین نفس یا شاطرِ سنجیدہ رائے — ۵ — فیلسوفِ معتدل یا عارفِ علت زُبا
بے بدل ہے الغرض جو ہے اس باغ مین — ۶ — بلبلِ جادو نوا ہو یا گلِ رنگین ادا
بہرہ ور ہین فیض سے تیرے بلاد دور دست — اے خوشا وہ سرزمین جس پر ہو تو فرمان روا
بارِ محصولات سے یان تک جھکی تھی کہ اب — بارِ منت سے ترے پشتِ رعیت ہے دوتا
خیر تیری ہے حصارِ عافیت تیرے لیے — سیر ہو کر تجھ کو دیتے ہین بہت بھوکے دعا
نعمتین حق کی بٹین گی سمیٹی زنہار — ہر بھلائی کی ملی وہ چند گر تجھکو جزا
خوانِ نعمت پر ہے تیرے میہمانون کا ہجوم — نام پھر زندہ ہوا خوانِ خلیل اللہ کا
ہے یقین تجھ پر پڑے اصحابِ محشر کی نگاہ — جب کہین کس نے کیا حق میزبانی کا ادا
دولت و اقبال روز افزون سے تیری ہے عیان — جو کہ حامی قوم کے ہین اُن کا حامی ہے خدا
پرورش پاتی تھی جنکے سایۂ دولت مین قوم — لے گئی اُن کو بہا کر موجِ سیلابِ فنا
کچھ گھرانے رہ گئے ہین جو کہ آتے ہین نظر — ہند مین اب تکیہ گاہِ امتِ خیر الورےٰ
یہ اگر مٹتے نہ کشتیان اس طوفان مین — کشتیِ اسلام تھی منجدھار مین بے ناخدا
رہ گئی تیری ہی خیرخواہی سے شرمِ اہلِ فضل — ورنہ اُنکی جنس کا گاہک یہان کوئی نہ تھا
مل گئے تجھ کو [illegible] شرافت خاک مین — خاک سے تو نے اُٹھایا اُن کو اور بخشی جلا

ہو رہے تجھسے دو دمانِ علم و دولت جاں بلب — تو نے ایک اک کے چوایا حلق میں آبِ بقا
کول میں پودا لگا ہے جو پئے تہذیبِ قوم — آبیاری سے ہی تیری ہو رہا ہے اُسے نشو و نما
ہے یہ وہ احسان جسکے بارِ منت سے کبھی — قوم کی گردن نہ ہلکی ہوگی بے ردِّ وفا
تیرے ظلِ تربیت میں گر رہا یہ نونہال — ہے یقیں پھیلیں گی شاخیں اسکی طوبیٰ سے سوا
فرض اگر کیجیے اُسے دیوارِ کاخِ آرزو — تو وہ پشتیبان ہے جس سے اسکی قائم ہے بِنا
اور اگر کہیے کہ ہے یہ قوم کی کشتِ مراد — تو ہے اُس پر ابرِ رحمت کی طرح چھایا ہوا

۵۔ قصیدۂ ناتمام مرقومہ ۱۲۹۴ھ

سر سید احمد خان دام اقبالہم کی شان میں

پنہاں نہیں ہے یارو سب پر کھلا ہوا ہے — جو حال آج اپنا اور اپنی قوم کا ہے
ہے اک لکیر باقی جس پر فقیر ہیں ہم — خود سانپ بے رفیاں سے کب کا نکل گیا ہے
اس پر بھی اے عزیزو ہے جائے فخر تم کو — دینوں میں دین بیضا حق نے تمھیں دیا ہے
قبلہ ہے وہ تمھارا جو گھر ہے سب سے پہلا — ہادی ہے وہ تمھارا جو ختم انبیا ہے
دی ہے وہ مصلح کل حق نے کتاب تمکو — جس نے شریعتوں کو شیر و شکر کیا ہے
بخشی تمھیں حکومت حکمت انھیں عطا کی — دوران سدا موافق تم سے یونہیں رہا ہے
اس دورِ آخری میں جب تم ان بگڑ چلے تم — اک ہاشمی تمھارا مصلح کھڑا کیا ہے
سرسبز چاہتا ہے جو قوم کو جہان میں — فتووں سے قوم کے گو کافر ٹھہر چکا ہے
وقت اپنا کام اپنا جان اپنی مال اپنا — یارو ن پہ جس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے
دار اس پہ قوم کے ہیں وہ قوم کی سپر ہے — قوم اُس سے بدگمان ہے اور وہ قوم پر فدا ہے

لہ یہ قصیدہ اسوقت لکھنا شروع کیا گیا تھا جبکہ مدرستہ العلوم کا بنیادی پتھر لارڈ لٹن اپنے ہاتھ سے رکھ چکے تھے اور سر سید کا کام تعجب کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے تھے۔ مگر بسبب مکروہات دنیوی کے پورا نہو سکا ۱۲

ہمدرد قوم ایسا ہمنے سُنا نہ دیکھا　　یہ درد اُس کو جد کی میراث مین ملا ہی
تعلیم کی تمھاری بنیاد اُس نے ڈالی　　ملکون مین جس کا چرچا ہر سمت ہو رہا ہی
بعد از قرون اولی کس نے کیا بتاؤ　　سیّد نے کام آکر جو قوم مین کیا ہی

۶۔ قطعہ مرثیہ سنہ ۱۳۰۳ھ

مرثیہ مہین برادر راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم

کل سوگ مین بھائی کے اُسے دیکھکے چپ چاپ　　حالی سے کہا ہمنے کہ اے بحر معانی
خاموش کبھی ہمنے تجھے یون نہین دیکھا　　کیا ہوگئی وہ تیری طبیعت کی روانی
شادی مین تری تہنیتین ہمنے سنی ہین　　ماتم مین بھی دیکھی ہو تری مرثیہ خوانی
ہنستا ہے نہ روتا ہی نہ بذلہ ہے نہ نوحہ　　کچھ کہہ تو سہی دل مین یہ کیا تو نے ہی ٹھانی
دنیا ہی یہ اک دار فنا جس کا اثاثہ　　سب خاک سے تا انجم و افلاک ہی فانی
ہوجائے گر انسان یونہین ہر رنج مین خاموش　　کس طرح دلون کے ہون عیان راز نہانی
اک آہ بھری سُن کے یہ حالی نے کہ جس سے　　دل ہل گئے اور سب کے لہو ہوگئے پانی
فرمایا کہ موجون سے جو دریا کے نہین آگاہ　　ساحل پہ ہین جو راہ سپر قاصی و دانی
حالی ہی کو معلوم ہو حالی کی حقیقت　　مشکل ہے کسی کو لگی غیرون کو دکھانی
آئے ہین سدا بھائیون سے بھائی بچھڑتے　　موت ایک کے آگے ہے ضرور ایک کے آنی
پر بھائی ہو جس شخص کا حالی کا سا بھائی　　غم بھائی کا مرجانے کی ہو اسکے نشانی
جس بھائی نے بیٹون کی طرح بھائی کو پالا　　سوکھی ہوئی کھیتی مین دیا باپ کے پانی
جس بھائی کے آغوش مین ہوش اُس نے سنبھالا　　جس بھائی کے سایہ مین کٹی اسکی جوانی
شفقت نے دیا جسکی بھلا مہر پدر کو　　دی آنے کبھی دل پہ نہ بھائی کے گرانی
جیتا بھی رہا بھائی گر اُس بھائی کے پیچھے　　لذت نہین جینے سے نصیب اسکو اُٹھانی

دل مردہ ہو حالی کی طرح جس کا عزیزو — کیا ڈھونڈھتے ہو اُسکی طبیعت مین روانی
یہ چپ نہ لگائے کسی دشمن کو بھی اللہ — یہ چپ نہین مرجھانیکی ہے دل کے نشانی
بولین گے کبھی سو بار ہنسین گے بھی جہانین — یہ ناؤ ہے ہر طرح ہمین پار لگانی
پر آہ کلی وہ جو ہے مرجھا گئی دل کی — مشکل ہے وہ ہنس بول کے آپ سے کھلانی
باقی رہیگا داغ سدا بھائی کا دل پر — ہرچند کہ فانی تھا وہ اور ہم بھی ہین فانی

قطعہ مرتبہ ۱۳۰۵ ہجری

بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

آسمان جاہ کی خدمت مین یہ حالی کی ہے عرض — کہ اگر ہو ہر اک رونگٹا ہو جائے زبان
شکر ممکن نہین اس کا کہ مجھے گھر بیٹھے — اُس نے ممتاز کیا بھیجکے شاہی فرمان
نہ ہوئی مجھسے کوئی خدمت سرکار نظام — نہ کیا مین نے کبھی اُنکی ثنا ورد زبان
نہ کوئی مجھ مین ہنر ایسا کہ ہو لایق قدر — اور نہ ایسا کوئی جوہر جو ہو قیمت مین گران
حق نہ تھا دولت عالی پہ کوئی حالی کا — جسکے بدلے مین وہ اس لطف کا ہوتا شایان
ہان مگر ذات مین ہے فیض رسانی جن کی — ڈھونڈھ لیتے ہین کوئی حیلہ برای احسان
ہین مربی ہنر و بے ہنری کے جس طرح — خار و گل دونون کو کرتا ہے نہال آب روان
آسمان جاہ کا اک مین ہی نہین شکر گذار — ملک مین اُس کا ثنا خوان ہے ہر اک پیر و جوان
یان وہ اُن کھیتون کو دیکے گیا ہے پانی — آنکھ اسلام کی خود جن کی طرف ہے نگران
قوم اس وقت ہے تعلیم کی جتنی محتاج — ہے وہ عالم پہ ہویدا انھین محتاج بیان
عزت و آسودگی اور ملت و مذہب اُن کا — ہو نہ تعلیم تو ہین سب کوئی دن کے مہمان
پھر نہ قدر اُن کی کچھ آنکھون مین خلایق کی بلند — اور نہ وزن اُن کا ترازو مین حکومت کی گران

آسمان جاہ پہ برکت ہو خدا کی جس نے ۔۔۔ درد کا جان لیا اُن کے کہ یہ ہیں درمان

مدرسے قوم کے اس ملک میں جو ہیں ممتاز ۔۔۔ جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشان

اُن کی امداد سے نواب کی ہے قائم ۔۔۔ چشمِ عالم میں مسیحائی پہ اپنی برہان

کرتے ہیں زندۂ جاوید بنی نوع کو۔ جو ۔۔۔ بذل کرتے ہیں پئے تربیتِ اہلِ زمان

ہے مدارس کی اعانت وہ نکوئی جس کا ۔۔۔ ملک پر قوم پہ تا دیر رہے گا احسان

یہی بخشش ہے یہی جود ہے راس الحسنات ۔۔۔ جس پہ موقوف ہے بہبودیٔ نسلِ انسان

یہی امداد ہے جس سے ہوئیں قومیں سرسبز ۔۔۔ یہی تدبیر ہے جس سے ہوئے ملک آبادان

یہی قوت ہے کہ ہوتے ہیں قوی جس سے ضعیف ۔۔۔ یہی حکمت ہے کہ ہوتے ہیں سبک جس سے گران

دی لگا ایک نے پانی کی سرِ راہ سبیل ۔۔۔ کی ہمیشہ کے لیے ایک نے واں نہر روان

اسکی خواہش تھی کہ ہوتے رہیں پیاسے سیراب ۔۔۔ اُس نے چاہا کہ رہے پیاس کا باقی نہ نشان

برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں ۔۔۔ نہر جاری سے ہے ذات انکی سوا فیض رسان

بخت اس ملک کے جس ملک میں ایسا ہو وزیر ۔۔۔ حامیِ علم و ہنر مدارِ کمالِ انسان

اب خدا سے یہ دعا ہے کہ جہاں میں جب تک ۔۔۔ شکرِ احسان کا کرتے رہیں بعد از احسان

آسمان جاہ سے ہو تقویتِ ملکِ دکن ۔۔۔ اور رہے ملکِ دکن ملجا و ماوائے جہان

دولتِ قیصری و دولتِ آصفجاہی ۔۔۔ ایک کی ایک زمانہ میں رہے پشتیبان

۸ قصیدہ مرقومہ سنہ ۱۳۰۵ ہجری

تہنیت عید الفطر بہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

مہِ صیام گیا اور روزِ عید آیا ۔۔۔ خوشی کا عید کی حق ہر کوئی بجا لایا

کیا خدا کا ادا شکر روزہ داروں نے ۔۔۔ کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے بھر پایا

رہین منت ساقی ہین بادہ خوار تمام — کہ تیس روز کے پیاسون کا روزہ کھلوایا
گئے ہین ایسے مساجد سے معتکف خوش خوش — کہ جیسے طفل ہو مکتب سے چھوٹ کر آیا
شگفتہ آتے ہین اس طرح عیدگاہ سے لوگ — کہ گنج اُنھون نے ہے گویا خرابہ مین پایا
حسین چاؤ مین پھولے نہین سماتے آج — کہ دن خدا نے نمایش کا اُن کو دکھلایا
عزیز و دوست گلے ملتے پھرتے ہین باہم — خدا نے سیکڑون روٹھون کو آج منوایا
حکیم ہین متفکر نہ زاہد افسردہ — خوشی نے دی ہے زمانہ کی کچھ پلٹ کایا
غنی ہین شال مین مست اور گدا ہین کھال مین مست — ہے ایک خوان سے منعم نے سب کو چھکوایا
اُدھر ہے فصل بہار اور ادھر ہے عید الفطر — سمان نشاط کا ہے شہر و دشت پر چھایا
کھلے ہین اُسکے عوض دشت مین کڑوڑون پھول — جو غم سے شہر مین آج ایک دل ہے کملایا
ہزارون سرو خرامان ہین شہر مین ہر سو — جو دشت مین کوئی پودا ہے آج مرجھایا
اگر خوشی کا زمانہ کی ہے یہی عالم — تو سمجھو غم کا عوض غمزدون نے بھر پایا
مگر یہ عارضی انبساط ہے سب ہیچ — اس انبساط پہ غافل ہے جو کہ اترایا
فریفتہ ہوے جو ایسی ایسی خوشیون پر — اُنھون نے آب کا دھوکا سراب پر کھایا
خوشی ہے جس سے عبارت وہ ہے خوشی انکی — جنھون نے خلق مین ذکر جمیل پھیلایا
جنھون نے دین کے گرتے ستون کو تھاما — جنھون نے علم کا بجھتا چراغ اُکسایا
جنھون نے ملک کے امراض کو کیا تشخیص — جنھون نے قوم کے افسردہ دل کو گرمایا
جنھون نے خلق سے اپنا بنایا غیرون کو — جنھون نے لطف سے وحشی دلون کو پرچایا
خبر مریضون کی لی جاہلون کو دی تعلیم — کھلایا بھوکون کو بے پوششون کو پہنایا
ہوا زمین پہ جس سال آسمان نمناک — مینہ اپنی داد و دہش کا اُنھون نے برسایا
ہواے دہر اگر ہو گئی کبھی فاسد — فضاے دہر کو خلق حسن سے مہکایا
سدا غریبون کی امداد پر ہین جو تیار — لیا سنبھال اُسے جس نے ہاتھ پکڑا پایا

ہمیشہ مانگنے والون کو بے دریغ دیا
نہ مانگ سکتے تھے جو اُن کے گھر پہ پہنچایا

نہ سمجھا آپ کو اک پاسبان سے بڑھکر
اُنھون نے لطف حکومت اسی مین کچھ پایا

نہ پائی کھانے مین لذت نہ چین سوتے
ستم رسیدہ کا جب تک کہ حق نہ دلوایا

وفا مین شیر مگر وقت رحم موم صفت
کسی کی آہ سُنی اور دل اُن کا بھر آیا

وہ سمجھے یہ کہ کوئی قافلہ ہوا تاراج
جو شاہ راہ مین پتا کسی نے کھڑکایا

وہ چونک اُٹھے کہ گویا قیامت آپہونچی
جو در پہ آکے کوئی دادخواہ چلّایا

نشاط و عشرت جاوید کی ہو اُن کو نوید
دل ایسا جن کو عنایت خدا نے فرمایا

سنا تھا کان سے جو ذکر خیر عہد سلف
سو آنکھ سے وہ وزیر دکن نے دکھلایا

بشیر دولت و دین صدر اعظم امرا
نہین ہے جسکا کوئی قرب شہ مین ہمسایا

جو ظل حق ہے رعیت کے سر پہ شاہ دکن
تو اعظم الامرا ظل حق کا ہے سایا

ہمیشہ جسکو ہے بہبود مملکت پہ نظر
رفاہ و امن ممالک مین جسنے پھیلایا

اُٹھایا فتنہ نے جب سر فرو کیا اُس کو
پڑا عمل مین جہان عقدہ اسکو سلجھایا

بنائے نظم و نسق جس نے رکھی شوری پہ
مشیر کار خرد پرورون کو ٹھہرایا

دکن کو جس نے کیا مرجع خواص و عوام
دکن کا جس نے کہ ڈنکا جہان مین بجوایا

نہ کوئی ملک مین سرکش رہا نہ نافرمان
جفا و ظلم کو توڑا غرور کو ڈھایا

خلل انتظام کے رشتہ مین پڑ رہے تھے بہت
سو سلجھے کی طرح ایک ایک بل نکلوایا

لگا گئے تھے وزیران رفتہ جو پودا
وہ صاحبی مین وزیر زمان کی پھل لایا

ترقی اب یہ تمدن مین کی ہے بلدہ نے
کہ اپنی حالت پیشین سے خود ہے شرمایا

زبان حال سے ماضی کو دیجئے کیا نسبت
اندھیری چھائی ہوئی تھی کہ دن نکل آیا

خدا دراز کرے عمر اعظم الامرا
دکن کو جسکی حکومت نے دن یہ دکھلایا

زمین پہ سایہ فگن جب تلک آسمان رہے
رہے دکن پہ حضور نظام کا سایا

تھی کوئی چیز نہ حالی کے پاس لائق نذر　　سو یہ چکا سہ ناچیز پیشکش لایا
یہی بس اسکے لیے ہوگا مایۂ نازش　　جو اعظم الامرا نے قبول فرمایا

۹ قطعہ مرتبہ ۱۳۰۳ھ

تہنیت ولادت فرزند ارجمند و شبستان اقبال جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

فیض رب ذوالمنن سے مژدہ اے اہل دکن　　نائب دولت کا نخل آرزو لایا ثمر
دی بشیر دولت و دین کو وہ چیز اللہ نے　　جس سے پایا دیدۂ یعقوب نے نور بصر
جسکو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے　　حق نے دی جسکے عطا ہونیکی سارا کو خبر
جسکے ملنے سے ہوا داؤد ممنون قضا　　جسکے پانے سے ہوا ایوب مرہون قدر
جسکے بدلے ہیں علی الرغم شماتت پیشگان　　حق سے ختم الانبیا نے پائے شبیر و شبر
جو بضاعت ہے گدائی اور دولت شاہ کی　　جو ہے حاصل عمر کا اور زندگانی کا ثمر
جس سے مستغنی ولی ہیں اور نہ عارف بے نیاز　　جس سے ہیں اجداد زندہ اور اماجد نامور
صدر اعظم کو دیا صد شکر خالق نے خلف　　خلق کی آخر دعاؤں کا ہوا ظاہر اثر
یہ پسر یا رب بحق عترت خیر الورے　　پائے عمر خضر زیر سایۂ مہر پدر
صدر اعظم کی طرح دربار آصفجاہ میں　　جایگاہ قرب سلطانی ہو اس کا مستقر
دولت و ثروت کو اسکی ذات سے لگ جائے شان　　زیور علم و ادب سے ہو مجلی اس قدر
سیرت و عادت میں اسکی نکلے آن اجداد کی　　جوہر اخلاق فاروقی[1] ہوں اسمیں جلوہ گر
ملک آصف جاہ میں سر آسمان جاہ اور وہ　　رات دن رکھیں اجالا صورت شمس و قمر

[1] اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں ۱۲

۱۰ قصیدہ مرتبہ ۹ صفر ۱۳۰۹ھ

اے صفر کی دوسری۔ روز دوشنبہ مرحبا — ہم نہ بھولیں گے کبھی وہ تیری صبح جانفزا
ہمنے رکھا آکے جب بلدہ کی سرحد میں قدم — پھر گیا آنکھوں کے آگے اپنی اک عالم نیا
عزتِ قومی ترستی تھیں سدا آنکھیں جسے — اسکے کچھ آثار دیکھے ہمنے یان شکر خدا
کھوج میں جس فخر کے پھرتے تھے اک مدت سے ہم — آکے بلدہ کے سوا نہیں لگا اُس کا پتا
بھاگ کر نکلے تھے گھر سے کچھ بھکاری قوم کے — جھولیاں اُلٹے لگے ہیں دربدر دیتے صدا
پہنچے لیکن ان کو وہ اعیان دار الملک سے — دولتِ عالی کو جن کی ذات پر ہے اتکا
قوم کو ہے جن پہ فخر اور ملک کو ہے جن پہ ناز — سلطنت کے جو ہیں اعضا اور ریاست کے قویٰ
صدرِ اعظم نے ہمیں بخشا اقامت کے لیے — وہ گلستان خجل ہو جس سے جنت کی فضا
یعنی مدار المہام
ہم غریبوں کو سمجھکر اک سفارت قوم کی — دی وہ عزت شکر جسکا ہو نہیں سکتا ادا
پیشتر مہمان نوازی کا فقط سنتے تھے نام — آکے یان سمجھے کہ ہے مہمان نوازی چیز کیا
کی ہے نواب اقتدار الملک نے جو مرحمت — اُس نے کلفت کو سفر کی دل سے بالکل دھو دیا
ہے مقولہ ہند میں مدت سے یہ ضرب المثل — جو کہ جا پہنچا دکن میں بس وہیں کا ہو رہا
ہے دکن کی وہ ہی شاید مسافر پروری — جو دکن میں آکے ٹھیرا ہو وطن دل سے بھلا
وارثِ ملکِ دکن ہے آج وہ محبوبِ خلق — نام پر بیتا ہے جس کے جان ہر چھوٹا بڑا
ہم کہیں وکٹوریا کے عہد میں جسکے لیے — امن و آزادی کی جسکے کہانی ہے ہر سو ہوا

۱ یہ قصیدہ ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء مطابق ۹ صفر ۱۳۰۹ھ میں بمقام حیدرآباد دکن جبکہ ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر مع اکثر رفقا کے جنمیں سے ایک راقم بھی تھا بطور ڈیپوٹیشن کے محمڈن کالج علی گڈھ کی طرف سے حضور سرکار نظام میں جا حاضر ہوئے تھے ایک جلسہ عام میں پڑھا گیا تھا جسکے صدر انجمن جناب نواب قائد الامرا بہادر تھے ۱۲ حالی

جانتے ہین ہم کہ کیسی ہے رعیت کسطرح　　　کسطرح ہوتے ہین مقبول جہان فرمان روا

کرتے ہین کس منتر اور افسون سے تسخیر قلوب　　　کسطرح بوتے ہین دلمین خلق کے تخم وفا

کرلیا محکوم کے دلمین اگر حاکم نے گھر　　　تو یہ سمجھو حق حکومت کا کیا اُس نے ادا

ہے یہی شاہِ دکن کی گلہ بانی کی دلیل　　　گلہ اپنے گلہ بان پر جان و دل سے ہو فدا

پوچھنے کچھنے کی اہل ملک سے حاجت نہین　　　ان کی خوشحالی پہ اُن کی تازہ روئی ہو گوا

دیکھتے آئے تھے جیسے راہ مین ہم سبزہ زار　　　خلق کو سرسبز دیکھا آکے یان اُن سے سوا

راہ مین دیکھے تھے ہم نے کوہ اگر گردون شکوہ　　　آکے دارالملک مین دیکھے محل[1] گردون نما

عالمون کی سخت گیری سے ہین سب آزادیان　　　بینوا سے منعم اور منعم سے بڑھکر بینوا

اغنیا مین ہم وہ استغنا نہین پاتے کہین　　　جیسا بے پروا نظر آتا ہی یان ایک ایک گدا

جتنی یان قومین ہین سب رکھتی ہین باہم میل جول　　　بے تعصب بے تکلف بے تصنع بے ریا

ایک کے تہوار مین بے عذر ہین سارے شریک　　　ایک کی تقریب مین ہمدم ہین سب اور ہمنوا

دولت عالی نے حق سب کو برابر ہین دیے　　　ایک پر ترجیح کچھ رکھتا نہین یان دوسرا

پارسی ہندو مسلمان یا مسیحی کوئی ہو　　　ہے دکن کو ہر کوئی اپنی ولایت جانتا

ہم کو یان کہنا تھا کچھ اور کہہ گئے پہلے سے کچھ　　　رہگذر کی سیر نے منزل سے غافل کردیا

قصہ کوتہ - بار جب ہم کو ملا دربار مین　　　کہہ نہین سکتے کہ بیداری تھی وہ یا خواب تھا

دیکھ کر اپنی رسائی تخت آصفجاہ تک　　　واقعہ مور اور سلیمان کا ہمین یاد آگیا

حضرت والا نے جس شفقت سے کین نذرین قبول　　　اُسپہ گر جان اپنی ہم قربان کرین تو ہی بجا

جس توجہ سے سنی روداد قومی درسگاہ　　　شکر سے اُسکے نہین ہوسکتے ہم عہدہ برآ

جب کہ کالج کی علی گڈھ مین بنا ڈالی گئی　　　دولت عالی مدد کرتی رہی اس کی سدا

[1] یہ اشارہ ہو اُس محل کی طرف جو کہ نواب وقار الامرا بہادر نے بلدہ حیدرآباد کے باہر جانب جنوب پہاڑ پر زر خطیر صرف کرکے اپنے رہنے کے لیے بنوایا ہو اور اُسکا نام فلک نما رکھا ہو ۱۲

جو لگایا تھا درخت اُس کی ہمیشہ لی خبر
دمبدم پانی دیا یان تک کہ بارآور ہوا

اب کہ وقت آ کر پڑا تھا بانی کالج پہ سخت
دولت عالی نے شرط دستگیری کی ادا

مشکلین جسطرح کی تھین قوم کی اول بحل
کی اُسی دریادلی سے اُنکی پھر حاجت روا

خود علی گڈھ کالج اور اُسکے درودیوار سب
راگ گاتے ہین سدا احسان آصفجاہ کا

ہند مین باقی ہین نسلین جب تلک اسلام کی
جیتے جی ہوگی نہ اُسکے طوق منت سے رہا

کی ہے سرسید نے جو کوشش فلاح قوم مین
اُسکو ہے لے اہل مجلس اک زمانہ جانتا

پر یہ سرسید سے بیڑا پار ہوتا تھا محال
دولت عالی اگر بنتی نہ اُس کی ناخدا

تھا پڑا اسباب کا سچ پوچھو تو خشکی مین جہاز
دولت عالی نے اُس خشکی مین گنگا دی بہا

ہے روایت جبکہ ہجرت کرکے ختم المرسلین
پہونچے یثرب مین تو یہ ارشاد یارون سے کیا

جسطرح ہوتی ہے بانبی سانپ کی جائے پناہ
ہوگا ملجا اب مدینہ بھی یونہین اسلام کا

ہے بلا تشبیہ دارالملک آصفجاہ بھی
ہند مین اب مرکز اسلام بے رو و ریا

ذی لیاقت جتنے تھے ہندوستان مین تھا
دولت عالی نے چن چن کر لیا سب کو بلا

تربتین اور خانقاہین مدرسے اور مسجدین
سب کی ہوتی ہے نگہ اس طرح ہے بے چون و چرا

حج بیت اللہ سے جو ہر مسلمان پہ ہے فرض
ہے دکن آنا مقدم شک نہین اسمین ذرا

اول آنا چاہیے یان استطاعت کے لیے
کیونکہ ہے بے استطاعت حج کو جانا ناروا

خرچ سے ہاتھ اک مسلمان کا ہو گر اتنا تنگ
ہو دکن کی سمت وہ گردن اُٹھا کر دیکھتا

خواب آتے ہین دکن کے اُس کو سوتے مین نظر
قوم کا بچہ مڈل سے جب ذرا آگے بڑھا

ہند مین کرتے ہین کوشش جو رفاہ خلق مین
اور مدد کو جن کی یان حاضر ہے ہر چھوٹا بڑا

چلتے چلتے انکی گاڑی بھی اٹک جاتی ہے جب
کھینچنے کو اُسکے جاتا ہے یہین سے بینڈیا[1]

ہے دکن کی اور مسلمانون کی یاد وہ مثال
اک سمندر ہے کہ ہر سو جسمین ہے طوفان بپا

[1] جبکہ گاڑی یا چھکڑا ایسی جگہ پہنچے نہین کھینچ سکتا تو بیلون کی جوڑی کے آگے تیسرا بیل لگا دیتے ہین اسکو بینڈیا کہتے ہین ۱۲

تھا جہاز اک یہیں بحر اہل اسلام کا
لطمۂ امواج نے پرزے کیے اُسکے اُڑا

ڈوبنے والے تھے جو وہ ڈوب کر اُبھرے نہ پھر
بچ رہے ہیں جو وہ ہر سو مارتے ہیں دست و پا

کوئی کشتی یا جہاز آتا نہیں اُن کو نظر
اس محیطِ بے کراں میں ایک زورق کے سوا

ہے وہ زورق نیّرِ اقبال سرکارِ آصفجاہ کی
ہے مسلمانوں کو اب لے دے کے جس کا آسرا

ہے دعا جس وقت تک باقی ہے ہستی میں ہے
یارب اس زورق کو تو موجِ حوادث سے بچا

ختم کر حالی سپاسِ صدرِ اعظم پر سخن
بال بال اپنا ہے جسکے شکر میں جکڑا ہوا

تقویت سے جسکی ہر مشکل ہماری حل ہوئی
انجمن کے منعقد ہونے کی دی جس نے رضا

پھر ادا کر جان و دل سے شکرِ صدرِ انجمن
جسکے قدموں میں یہ زیبا ہے کہ دیں آنکھیں بچھا

جس نے قومی انجمن میں بن کے صدرِ انجمن
قوم کو دی عزت اور انکی امیدیں دیں بڑھا

لیکے اذنِ صدرِ اعظم سے پھر قصدِ وطن
ورنہ ہے حالی دکن کی دلفریب آب و ہوا

باندھیے جلد اب رختِ سفر ہمرہ کے ساتھ
قافلے سے چھٹ نہ جائے قافلہ سالار کا

۱۱۔ قطعہ[ف] مرتبہ سنہ ۱۳۰۹ ہجری

بمقام حیدرآباد دکن

یاں مہیا کر دی ہے جو عزت ہمیں سرکار نے
اوّل اُس کا شکر کرتے ہیں [illegible] بعد ازیں

ف سنہ ۱۳۰۹ ہجری میں جب راقم اور مولانا محمد شبلی نعمانی اور دیگر ممبران قوم آنریبل سید احمد خان بہادر کے ہمراہ علیگڈھ محمڈن کالج کی طرف سے بطور ڈیپوٹیشن کے حیدرآباد دکن میں حضور سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے اس موقع پر ایک عام جلسہ بصدارت نواب [illegible] الامرا بہادر بشیر باغ میں منعقد ہوا تھا جس میں راقم نے اور مولانا محمد شبلی نے قصیدے اور دعائیں جن میں کچھ نظمیں سرکار عالی کے شکریہ میں پڑھی تھیں جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھکو اور مولانا محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سننے کے لیے دولت خانہ پر طلب فرمایا تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اسوقت موزون کیا گیا تھا راقم نے پڑھا تھا ۱۲

خدمتِ والا میں ہے اک عرض کرنی چاہتے　　عرض کرنے کی اجازت ہو اگر اپنے تئیں
شاعری جسکو سمجھتے ہیں کمال اپنائے دہر　　جو لیاقت اسمیں ہے درکار وہ ہم میں نہیں
شکر کرنا تھا ہمیں سرکارِ عالی کا ضرور　　چند نظمیں انجمن میں اس لیے ہم نے پڑھیں
گرچہ کی ہے کوشش ان نظموں کے لکھنے میں بہت　　اور جگہ انگشت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں
رہ گیا ہے اس کوشش میں باقی اک قصور　　درگذر فرمائیں گے سرکار اس سے ہے یقین
اور تو کچھ خوبیاں شاید ملیں ان میں۔ مگر　　جھوٹ۔ جو اشعار کا زیور ہے وہ ان میں نہیں

۱۲۔ قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ھ بمقام حیدرآباد

در شکر اضافۂ وظیفہ بہ پیشگاہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر

اے بشیرِ دولت و دین نائبِ شاہِ دکن　　اے مہماتِ دکن کا ذات پر تیری مدار
مجھ پہ جو فرمایا ہے لطف و کرم سرکار نے　　شکر اس کا کر نہیں سکتا ادا میں زینہار
جو کہ ہوتے ہیں جہاں میں بہرہ ور مقصود سے　　پہلے ہو لیتے ہیں صدہا مشکلوں سے وہ دوچار
کوئی دنیا میں نہیں ہوتی بغیر اسکے فتوح　　ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار
پر ملا مقصود جب حالی کو اس در سے بلا　　بے تردد۔ بے تذلل بے طلب۔ بے انتظار
قدردانی گر زمانہ میں یونہیں ہو جائے عام　　پائیں بے مانگے مرادیں اپنی سب امیدوار
یارب اس سرکار کو ہے جس سے عالم فیضیاب　　جب تلک دنیا رہے دنیا میں رکھیو برقرار

۱۳۔ ترکیب بند مرتبہ ۱۸۹۱ء مطابق ۱۳۰۹ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں بمقام علیگڈھ پڑھا گیا

[1] شکر اس نعمت کا یارب کر سکے کیونکر زبان　　تو نے رکھا ہم کو یاں فقر و غنا کے درمیان

[1] اس نظم میں متوسط درجہ کے لوگوں کی حالت کو فقرا اور اغنیا دونوں کی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ پر)

جب ہوئے بھوکے تو بخشی تو نے نان و نانخورش
پر نہ اتنی معدہ و احشا پہ جو گذرے گران

جب ہوئے پیاسے تو بخشا آب شیریں اور خنک
پر نہ ایسا ہو صراحی جسکی یاروں سے نہان

ڈھانکنا چاہا بدن جب، تو دیا تو نے لباس
پر نہ ایسا جسکو حسرت سے تکیں خرد و کلان

کھانے پینے کو کیے برتن ہمیں تو نے عطا
پر نہ ایسے، لوٹنے سے جنکے ہو خوف زیان

سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمیں
پر نہ ایسا جس سے اُٹھنا ہو طبیعت پر گران

رہنے سہنے کو دیے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ
پر نہ ایسے، ہو تعلق جن سے مثل جسم و جان

آنے جانے کو دیے دو پاؤں تو نے ہمیں
جن سے ڈر لے بھاگنے کا، نہ گرنیکا گمان

راہ اور بے راہ یکسان جن کو ہنگام خرام
کوہ سدِّ راہ جن کا اور نہ خندق اور کوان

کی سواری بھی عطا اکثر جو پیش آیا سفر
پر نہ ایسے تخت فرعونی کا ہو جس پر گمان

سیم و زر وقت ضرورت ہم کو تو دیتا رہا
پر نہ اتنا، ہو نگہبانی میں جسکی بیم جان

آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز
پر نہ ایسی جس سے ہوں مقصود ابنائے زمان

نعمتیں اکثر ہمیں بعد از مشقت تو نے دیں
تا کہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہم پر عیان

راحتیں اکثر میسر آئیں تکلیفوں کے بعد
تا کہ سمجھیں نہ ہم ان راحتوں کو رائگان

وقت پر کرتا رہا باران رحمت سے نہال
قحط اور طوفان دونوں سے بچایا بال بال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹) حالت سے بہتر بنایا گیا ہے متوسطین سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے اپنی ذاتی کوشش اور سعی و طلب سے دولت عزت نیکنامی یا علم و فضل میں اپنی پہلی حالت سے ترقی کر کے اپنے ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنی درجے سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی پست حالت سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا چاہتے ہیں مگر نہیں بڑھ سکتے۔ اعلی درجے سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت و عزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت میں پیدا ہوے مگر اس حالت سے ترقی کرنیکی ضرورت نہیں سمجھتے اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اسکے تنزل کرنے کا کچھ انسداد نہیں کرتے ۱۲ حالی۔

الحذر اُس فقر و ناداری سے سو بار الحذر
لوٹ جاتے ہین بن جسکی بدولت شیر نر

چاپلوسی جا کے کرتے ہین سفیہون کی فقیہ
ناکسون کے ناز بیجا سہتے ہین اہل ہنر

وزن مین علم و فضیلت جنکے ہین ہم سنگ کوہ
وہ سبک تر دانۂ خردل سے آتے ہین نظر

فقر و حاجت مین نہو انسان کو جب صبر و شکیب
پھر نہین کوئی برائی فقر و حاجت سے بتر

بھیک منگوا لے جوا کھلوا لے یہ چوری کرا لے
پت گنوا لے آبرو کھو دے پھرا دے دربدر

ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یاد اللہ کی
لے سکے محتاج جورو کی نہ بچون کی خبر

گر زبان آلودہ اُسکی شکوۂ تقدیر سے
اور کبھی بوچھار اس کی آسمان پیر پر

گر بخیلون کی مذمت پر کبھی آجائے وہ
ہو نہ سبّ و شتم سے سیری اُسے دو دو پہر

اُگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاق بزم تلخ
کھول دے غیبت کا دفتر اہل دولت کی اگر

گر ہو بائے عام کی مانگے دعا اللہ سے
تاکہ دولتمند بھی کچھ دن رہین آسیمہ سر

اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا مین کوئی انقلاب
تاکہ ہو جائین بلند اور پست سب زیر و زبر

بے حلاوت اسکی دنیا اور مذہب اسکا دین
خوفناک اُس کا ارادہ نیّت اُس کی پرخطر

رات اُس کی حسرت آگین اور دن اندوہگین
شام اُسکی پرنحوست اور شوم اُس کی سحر

گو کہ بدتر فقر سے یارب نہ تھی کوئی بلا
تھا مگر ثروت مین اُس سے بھی زیادہ شور و شر

فقر سے تو نے بچایا یہ بھی کم نعمت نہین
پر وہی ثروت سو اُسکے شکر کی طاقت نہین

نشۂ دولت سے تھا پھر ہوش مین آنا محال
اس سے مرد آزما کی تھی بمشکل سنبھال

نفس امّارہ اور اُس پر چھیڑ مال و جاہ کی
ڈھیر ہے بارود کا دے تیلگا جسمین ڈال

بادصرصر آگ کو اسطرح بھڑکاتی نہین
جسطرح جذبات نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال

ہضم کرنا اور بچانا مال و دولت کا ہے بس
نفس انسان مین اگر بالفرض ہو کوئی کمال

ورنہ مال و جاہ و مکنت کا جہان آیا قدم
اور ہوے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال

عقل ٹھہراتی ہی جو افعال انسان پر حرام
کر دیے اُسکے لیے سب اُس نے دولت نے حلال

فقر مین تھا نفس جو واماندہ جسکے واسطے
آ کے ثروت نے دیے پر واسطے اُسکے نکال

خواہشین یون نفس مین اُسکے بڑھنے لگین
مغز مین جسطرح دیوانہ کے گوناگون خیال

آپ کو گننے لگا بالاتر از ابنائے جنس
چیونٹیون مین ایک نے گویا نکالے پر و بال

مسرف بے زر ہو جیسے قرضخواہون مین گھرا
خواہشون مین اسطرح جکڑا ہوا ہی بال بال

جھک پڑی طبع دنی گر بخل و خست کیطرف
ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اُسکی وبال

اور اگر بھوت اُسکے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
پھر نہین گنجینۂ قارون بھی آگے اُسکے مال

آگیا غالب طبیعت پر گر استسقای حرص
ہی سمندر سے بھی اُس کی پیاس کا بجھنا محال

باڑھ پر تلوار کی چلنا نہین دشوار اس قدر
جسقدر ثروت مین ہی دشوار پاس اعتدال

گلشن دولت کے ہون انگور میٹھے بھی اگر
دیکھ لے روباہ نفس دون حذر ان سی حذر

ہے عجب دنیا مین نعمت درمیانی زندگی
فقر کی ذلت سے اور ثروت کے فتنے سے بری

چین ہی دنیا مین گر کچھ تو اسی حالت مین ہے
ہی جو ہی برزخ میان مکنت و دست تہی

فقر و ثروت فی المثل ہون دوزخ اور جنت اگر
مانگتے ہین ہم حذر دوزخ سے اور جنت سے بھی

دخل شیطان کا ہو جسمین ایسی جنت کو سلام
منزل اعراف سو بار ایسی جنت سے بھلی

اس کٹھن منزل مین ہی بیٹا یہی اک بیخطر
ہین ادھر کھڈ اور چڑھائی ہی ادھر البرز کی

رکھتے ہین فقر و غنا مین جو کہ حالت بین بین
ہین حسد اور کبر کے امراض مہلک سے بری

اپنے سے اعلی کی حالت پر اگر آتا ہی رشک
دیکھکر ادنی کو کر لیتے ہین اپنی دلدہی

سُن کے ہو جاتے ہین سیدھے وہ بڑون کا فخر و ناز
دل کے چھوٹون سے بہک جاتا ہی گر خستہ بھی

لذت فقر و غنا دونون سے ہین وہ آشنا
اغنیا مین ہین فقیر اور ہین فقیرون مین غنی

جو گذرتی ہی گدا پر اُس سے ہین وہ باخبر
کیونکہ حالت گاہ گاہ اُن پر بھی گذری ہی یہی

امتحان دولت کے بھی ہین کچھ نہ کچھ جھیلے ہوے — کیونکہ ہر ہر گھونٹ مین اُس کے ہے مستی وہی
اس لیے جب دیکھتے ہین عسرت ابنائے جنس — جوش ہمدردی سے بیکل اُنکا ہو جاتا ہے جی
اور نہین کرتے زبان طعن پیدا دردیگی — جبکہ سنتے ہین کسی مظلوم کی از خود رفتگی
مست کی بے اختیاری تشنگی مخمور کی — واردات ایک ایک کی ہے سب انپر کھلی

جنت اور دوزخ ہے سب ابراقون پر جلوہ گر
گندم اور زقوم دونون انکے ہین پیش نظر

دل توانا اور قوی بازو کی ہمت ان سے ہے — منتظم ہر قوم و ملت کی جماعت ان سے ہے
مشکلین اکثر انہین سے قوم کی ہوتی ہین حل — بھائیون کے بار اُٹھانے کی طاقت ان سے ہے
ہے انہین کے دم سے جو ہے گرمی ہنگامہ آج — ساری قومی مجلسون کی زیب و زینت ان سے ہے
ہے جہان دولت وہی ہین نظم دولت کے کفیل — ملک کی دولت مین ہے جو خیر و برکت ان سے ہے
ہاتھ مین انکے ہین جتنے عقل و دانش کے ہین کام — عقل و دانش مین ہے جو ملکون کی شہرت ان سے ہے
ہین گدا ان سے بھلے اور شاہون کے مشیر — شاہ ہون یا ہون گدا دونون کی عزت ان سے ہے
آدمیت سیکھتے ہین ان سے سب چھوٹے بڑے — نوع انسان مین بقائے آدمیت ان سے ہے
یہ نہون تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یان — رونق بازار جنس علم و حکمت ان سے ہے
پاؤگے انہین طبیب انہین ادیب انہین خطیب — ہے اگر انسان کو حیوان پہ فضیلت ان سے ہے
پاؤگے ان مین مہندس پاؤگے ان مین حکیم — آدمی مصداق ربانی خلافت ان سے ہے
کرتے ہین اخلاق ادنی اور اعلی ان سے اخذ — آدمی سب ہین گر انسان عبارت ان سے ہے
ان مین قومون کے ہین [illegible] ان مین ملکون کے کفیل — آبرو قومون کی اور ملکون کی عزت ان سے ہے
پھونکتے ہین روح سی جو قومیت بھی ہے ادھین — ہے جہان قومون مین یکرنگی و وحدت ان سے ہے

دم سے ہے وابستہ اُنکے قوم کا سارا نظام
یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

گر نہ ہو ہر حال میں ان کی مصالح پر نظر
ہیں مفاسد گرد و پیش ان کے فراہم سر بسر

کھیلتی ہے جسطرح بتیس دانتوں میں زبان
ہے انھیں بھی شر سے یان بچ بچ کے رہنا عمر بھر

گھاٹیاں فقر و غنا کی ان کے ہیں دونوں طرف
اور رستہ بیچ میں ہے بال سے باریک تر

ایک جانب پستیِ فطرت ہے اور دون ہمتی
ایک جانب مستی و غفلت ہے اور کبر و بطر

جھک پڑے گر اسطرف تو مفت کھو بیٹھے انھیں
وہ جو اُڑنے کے لیے حق نے دیے تھے بال و پر

ڈھل گئے گر اسطرف تو اُس بلا میں پھنس گئے
جسمیں پھنس جاتی ہے مکھی شہد میٹھا جان کر

برکتیں اللہ کی اُس قوم پر جس قوم میں
رہ سپر یہ طبقۂ والا ہو سیدھی راہ پر

ہیں معطل اغنیا اور بے نوا کوتاہ دست
سب کی پڑتی ہے انھیں کے دست و بازو پر نظر

جو قوی اُن کو ملے ہیں کام میں لائیں انھیں
تا کہ زندوں کی طرح ہو زندگی ان کی بسر

فرض ہیں جو اُنکے ذمہ خالق اور مخلوق کے
اُن میں سرگرداں رہیں پروانہ وار آٹھوں پہر

قوم ہو گر ناتوان تو تقویت بخشیں اُسے
کیونکہ اُسکے ضعف سے ہے اُن کی قوت کو ضرر

گو نجات انسان کو مکروہات دنیا سے نہیں
جن سے بچنا گوشت سے ناخن چھڑانا ہے مگر

کام دنیا میں سنوارے ہیں جنھوں نے قوم کے
تھے کموں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر

سارے بھگتاتے تھے بائیں ہاتھ سے دنیا کے کام
اور دائیں سے مہمیں قوم کی کرتے تھے سر

جسطرح اس انجمن کے رکن آئے ہیں تمام
قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

قوم کو ہے آس جسکی وہ جماعت ہے یہی
جس سے جان آتی ہے مُردوں میں وہ طاقت ہے یہی

اتفاق قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل
رائی کو کرتی ہے جو پربت وہ قوت ہے یہی

مال و دولت نا مبارک ہے نہ ہو گر اتفاق
قوم جس دولت کی بھوکی ہے وہ دولت ہے یہی

یان وکیل ایک ایک ہے شہر اور ملک کا قائم مقام
دانہ کو کرتی ہے جو خرمن وہ برکت ہے یہی

رائگاں جائیگا یاروں کا نہ یہ رنج سفر
راحتیں جسکی طفیلی ہیں وہ زحمت ہے یہی

فرد فرد آتے ہین جو جاتے ہین یان سے مجتمع — ملتے ہین جسکی بدولت دل وہ ملت ہے یہی
تم ہمارے کام آؤ ہم تمھارے کام آئین — جس سے کل چلتی ہے دنیا کی وہ حرکت ہے یہی
قوم کی خدمت مین ہے مضمر ربوبیت کی شان — جو کہ بجواتی ہے خادم کو وہ خدمت ہے یہی
قوم کی ذلت کو سمجھین ذلت اپنی سب عزیز — ملک مین عزت سے اب رہنے کی صورت ہے یہی
سال بھر رہتا ہے نقش اس انجمن کا یادگار — جو کبھی برہم نہین ہوتی وہ صحبت ہے یہی
کر رہا ہے قوم کے سرکل کو یہ مجمع وسیع — جزر سے افزون ہے مد جسکا وہ رحمت ہے یہی
اتفاقاً گر کبھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد — ڈر نہین اس کا کہ خود قانون قدرت ہے یہی
ہے کبھی افراط باران اور کبھی ہے قحط آب — طینت عالم مین خاصیت ودیعت ہے یہی
کال ہے گر اس برس تو ہے سمان اگلے برس — جو خبر دیتی ہے کثرت کی وہ قلت ہے یہی
دیگ تو پکتے ہی پکے گی دھیمی آنچ مین — کچھ ابال آیا تو ہے اس مین غنیمت ہے یہی

انجمن ہے قوم کی ہنگامۂ شادی نہین
ایک دن کا کام کچھ روما کی آبادی نہین

۱۴ - مسدس مرتبہ سنہ ۱۳۰۱ھ

مرثیہ جناب حکیم محمود خان مرحوم دہلوی

اے جہان آباد اے اسلام کے دار العلوم — لے کے تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم مین دھوم
تھے ہنرور تجھ مین اتنے جتنے گردون پر نجوم — تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم
زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہان آباد کا
نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری ہی طینت مین ودیعت تھا مذاق علم و دین — جیسے امی تجھ مین تھے عالم نہ تھے ایسے کہین
ہند مین جو تھا محدث تھا وہ تیرا خوشہ چین — تھی محدث خیز اے پایتخت تیری سرزمین

تھا تقدس بھی مسلم تیری خاک پاک کا
ہیچ تھی وقعت تھا ایک اک فقیہ اس خاک کا

شاذ و نادر تھا صورت میں کوئی تیرا نظیر　　آب و گل کا تیرے تھا گویا[2] صورت سے خمیر
تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ مہر منیر　　تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مستنیر

آج جس دولت کا بازار جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اس دولت سے مالا مال ہے

طب میں گو یونانیوں کا سب سے آگے تھا قدم　　آن کر اس نے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم
جب کہ آباد تھا دنیا میں لبِ باغ ارم　　بھرتے تھے تیرے اطبا مسیحائی کا دم

ہند میں جاری جو تجھی سے طب یونانی ہوئی
شہر شہر اس جنس کی یاں تجھ سے ارزانی ہوئی

خاک سے اٹھے ہیں تیری جیسے جیسے نکتہ در　　ایک جہاں شیوا بیانی سے ہوا ان کی باخبر
راس تھی آب و ہوا تیری سخن کو جس قدر　　سرو کو ہوگی نہ راس اتنی ہوا سے فاتقر[1]

حسن صورت میں اگر ضرب المثل نوشاد تھا
حسن معنی تیرا حصہ اے جہاں آباد تھا

لیکے ساتھ اسلام نکلا تھا عرب سے جو علوم　　جن میں تھی اسلامیوں کی چار عالم میں دھوم
دولت و اقبال کا جب تک رہا تجھ پہ ہجوم　　کھیتیوں پر تیری ابر آتے رہے ان کے جھوم جھوم

آئی گلشن میں نہ تیرے بھول کر فصل خزاں
تیری سرحد میں رہا ہر علم و دانش کا سماں

جس طرح تھا فضل و دانش میں ترا مشہور نام　　تھے تمدن میں بھی پیرو تیرے جمہور انام

---

[1] فاتقر سمرقند کے قریب ایک قطعۂ زمین ہے جہاں کا سرو خوبی و زیبائی و راستی میں ضرب المثل ہے ۱۲

[2] نوشاد اور خلخ دو شہر قدیم ترکستان میں تھے جو حسن خیزی میں مشہور تھے ۱۲

آدمیت سیکھنے آتے تھے تجھ سے خاص و عام — شہری و بدوی تری تقلید کرتے تھے مدام
رسم میں آئین میں اوضاع میں اطوار میں
طرز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں

رہ گیا باہر سے آ کر جو کہ تجھ میں چند سال — ڈھل گئے سانچے میں گویا اُس کے عادات اور خصال
آ کے بن جاتا تھا یاں نقصان انسان کا کمال — تیرے پرچھاویں سے موتی بن کے جاتے تھے سفال
آتے ہی انسان کی کایا پلٹ جاتی تھی یاں
چار دن میں اور ہی صورت نکل آتی تھی یاں

تیرا معمورہ تھا اک عالم میں مرجع اور مآب — آن کر لیتے تھے یاں ٹھیک جہان کے انتخاب
بستے تھے اطراف آ آ کے تجھ میں شیخ و شاب — کر دیا تھا تیری آبادی نے ملکوں کو خراب
جگمگاتا تھا تجھ میں ترک و فرس و روم و زنگ کا
دستہ تھا گویا کہ تو گلہائے رنگا رنگ کا

لیکن آخر طبع دوراں کا ہے جیسے اقتضا — ہر ترقی کی ہے حد ہر ابتدا کی انتہا
جب کہ دورہ اپنا تو دنیا میں پورا کر چکا — وقت سے جان جہاں تیرا بھی آخر آ لگا
گردش افلاک کے ہونے لگے تجھ پر بھی وار
تیرے گلشن سے بھی کوچ آخر لگی کرنے بہار

تجھ پہ ہر وارا اتفاقات انقلاب آنے لگے — پے بہ پے تجھ کو تباہی کے خطاب آنے لگے
طالع مشفق کے پیغام عتاب آنے لگے — تیرہ بختی کے نظر یاروں کو خواب آنے لگے
دولت و اقبال کا شیرازہ لگا جانے بکھر
تجھ سے لشکر وار علوم اٹھنے لگا علم و ہنر

ہو گئے تیرے محدث راہی دار السلام — کر گئے دنیا سے رحلت تیرے مفتی اور امام
ہو گیا رخصت جہاں سے تیرا جاہ و احتشام — رفتہ رفتہ ہو گئی سب عمر بھی تیری تمام

مجلسیں برہم ہوئیں دیر و زبر دیوان ہوئے
خانقاہیں بے چراغ اور مدرسے ویران ہوئے

چل دیے نوبت بہ نوبت تیرے شاعر و ادیب　　مٹ گئی تیری طبابت چھٹ گئے تیرے طبیب
جاگ جاگ آخر سلا کو سو گئے تیرے نصیب　　اس گلستاں سے نہ اُٹھی پھر صدائے عندلیب
جنکو کھو بیٹھے نظیر ان کا کہیں پایا نہ پھر
جو گیا۔ اُس کا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر

لٹ گئے اخلاق اور آداب سب تجھ سے سفر　　گر گیا نظروں سے تیرا سب جلال و جاہ و فر
جھڑ گئے تاج شرف سے تیرے سب لعل و گہر　　تجھ کو اے دار الخلافت کھا گئی کس کی نظر
علم ہے باقی نہ اب دولت ہے تیرے پاس وہ
اے گُلِ پژمردہ تیری کیا ہوئی بو باس وہ

دورِ آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل چکا　　بجھتے بجھتے تھا پھر اک تو نے سنبھالا سا لیا
خاک نے یاں تیری پھر اُگلے وہ لعل بے بہا　　جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نام اسلاف کا
عہدِ ماضی کا سماں آنکھوں میں سب کی چھا گیا
خواب جو بھولا ہوا مدت کا تھا یاد آ گیا

جاہ و مکنت قوم کی گو تجھ میں کچھ باقی نہ تھی　　پر نہ کی عرضِ ہنر میں تو نے اب بھی کوتہی
اس بزرگی سے گزاری تیرے چھوٹوں نے صدی　　پھر گئی آنکھوں میں پھر تصویر دورِ اکبری
علم دین و شعر و حکمت طب و تاریخ و نجوم
ڈال دی پھر اپنی تو نے چار سو ہر فن میں دھوم

ملک میں ہر سو وہی پھر بول بالا تھا ترا　　تھا جہاں علم و ہنر گو دوں کا بالا تھا ترا
تھی جہاں کچھ روشنی وہ سب اجالا تھا ترا　　پھر جو دیکھا غور سے وہ اک سنبھالا تھا ترا
چاند نکلا تھا گہن سے جو وہ پھر گہنا گیا

چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا چھا گیا

علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیے   واعظان قوم سوتوں کو جگا کر چل دیے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیے   کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دیے

ایک تختہ رہ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا
لے گئی سیل فنا اُس کو بھی لے ڈوبی تہا

جا چکی تھی تجھ سے گو اے شہر عظمت قوم کی   ہو چکی تھی آبرو مدت سے رخصت قوم کی
پر کچھ اک محمود خان کے دم سے تھی ہیبت قوم کی   اُٹھ گیا وہ بھی جہان سے آہ قسمت قوم کی

کیا دکھا کر اب دلائیگا سلف کو یاد تو
ناز اب کس پر کریگا اے جہان آباد تو

تجھ میں ہے دہلی کوئی اب ایسا مقبول جہان؟   نازش دار الخلافت مرجع ہندوستان
ہند سے لے تا عرب کشمیر سے تا انڈمان   بچہ بچہ کی زبان پر نام ہے جسکا روان

نیم جانوں کا مسیحا اور غریبوں کا طبیب
خود حکیموں کا معالج اور طبیبوں کا طبیب

ہے کوئی اب تجھ میں پھر ایسا یکتائے زمان؟   واقعات زندگی کر دیجیے گر اُس کے بیان
تجھ میں اک افسانہ ناواقف سے اور داستان   ہے تعجب خیز الحق سیرت محمود خان

یا وہ اک جوہر الگ تھا جوہر انسان سے
یا نکلتے اب نہیں ایسے جواہر کان سے

اُس کا تھا دیوان خانہ ملک کا دار الشفا   خلق کا دن رات رہتا تھا جہان تانتا بندھا
مفت بیماروں کو اُسکے در سے ملتی تھی دوا   فکر نذرانہ کا تھا اُن کو نہ شکرانہ کا تھا

اُس کے استغنا سے جھک جاتا تھا سر مغرور کا
اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھل رنجور کا

بے حقیقت اُس نے سمجھا مال و دولت کو سدا — تھے برابر اُسکے نزدیک اغنیا اور بینوا
گو طبیب اور ڈاکٹر تھے شہر مین بے انتہا — کوئی مفلس کا نہ تھا پرسان حال اسکے سوا

کرتے ہین جو دعوی ہمدردی نوع بشر
اُس نے باطل کر دیے تھے اُنکے دعوے سر بسر

طب مسلمانون کی لی اس کی مسیحائی نے تھام — ورنہ ابتک اُسکی عمر کی ہو چکی ہوتی تمام
رونق طب جدید اور اس پہ میل خاص و عام — درسگاہون اور دواخانون کا اُسکے انتظام

دیکھ کر تھا اک زمانہ اُسکی خوبی کا مقر
طب یونانی گئی تھی خلق کی نظرون سے گر

سرجنون کے دیکھ دیکھ آلات و اعمال و حیل — آگیا تھا رائے مین سو اعتقادون کی خلل
دین مگر اُسکی مسیحائی نے سب آئین بدل — طب یونانی گئی کچھ دن کو پھر گر کر سنبھل

سلطنت اور عقل تھی جس فوج کی ہمت فزا
ایک طاقت اُسکے حملون سے ہوئی عہدہ برا

لوگ جاتے تھے شفاخانون مین خاص و عام سب — پر اُلجھ جاتے تھے سخت امراض مین بیمار جب
خلق کا پھر ملجا و ماویٰ اُسی کا تھا مطب — اُسکے بیمارون کو گویا بس ہوئین یا جان بلب

سو تدبیر و معالج کی خطا کا ڈر نہ تھا
موت کا ڈر تھا مگر مُہلک دوا کا ڈر نہ تھا

رکھتے ہین آلات پر سرجن بھروسا جس قدر — کرتے ہین معلوم جو جو اُن سے امراض بشر
وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھ کے انگلی نبض پر — اُسکی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھرمامیٹر

نارسا تھین جن پہ بینین اہل صنعت کی جہان
جا پہونچتی تھی نگاہ دوربین اسکی وہان

شہر کے سب مرد و زن پیر و جوان خرد و کلان — تھے قوی پشت اُس سے ایسے جیسے پشتہ سے مکان

جسکو نسخہ دیدیا لکھ کر وہ یہ سمجھا کہ ہان
زندگانی کے ابھی کچھ اور دن باقی ہین ہان

گو کہ ماتم ملک مین ہے اُسکا ہر سو آجکل
پر گئی لے شہر بھر کی جان ہی گویا نکل

کیا عجب پیدا ہون پھر ایسے طبیب چارہ گر
جو کہ تشخیص مرض مین رکھتے ہون غائر نظر

خلق کو تکیہ ہو جن کی راے اور تدبیر پر
شہر مین ہون آج کل ملک مین ہون نامور

جمع ہون محمود خان کے ذات مین انکے کمال
ہے یہ سب ممکن مگر محمود خان ملنا محال

راستی اور راستبازی اسکی تھی ضرب المثل
اُسکے کامون مین ریا تھی اور نہ باتون مین دغل

امتحان کے وقت جب تھا نظم عالم مین خلل
راستبازون کی گئی تھی ٹیک جب ہے سو نکل

کھوٹ سے اُس آنچ مین نکلا وہ خالص اس طرح
آگ مین تپ کر نکھرتا ہے کندن جسطرح

وہ زمانہ جبکہ تھا دلی مین اک محشر بپا
نفسی نفسی کا تھا جب چارون طرف غل پڑ رہا

اپنے اپنے حال مین چھوٹا بڑا تھا مبتلا
باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جدا

موجزن تھا جبکہ دریاے عتاب ذوالجلال
باغیون کے ظلم کا دُنیا پہ نازل تھا وبال

دیکھ کر یارون کو جب آنکھین چراجاتے تھے یار
ساتھ دینا تھا کسی کا موت سے ہونا دوچار

یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار
شہر مین تھی چارسو گویا قیامت آشکار

آگ تھی اک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر
جل نہ جائین اُسکے شعلے سے کہین خشک و تر

ہو رہا تھا جبکہ کھوٹے اور کھرے کا امتحان
کر رہا تھا اپنے جوہر خاک کا پُتلا عیان

ایک جانب تھی اگر خندق تو اک جانب کنوان
بال سے باریک تر تھی راہ ان کے درمیان

راہرو گمراہ تھے اور راہ پُر خوف و خطر
اُسنے دکھلایا کہ یون چلتے ہین سیدھی راہ پر

مجرم و بے جرم مین تھا حاکمون کو اشتباہ — عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عذرخواہ
مجرمون کے جرم پر دیوار و در تھے سب گواہ — پر نہ تھا کوئی شفیع ان کا کہ جو تھے بے گناہ
ایسے نازک وقت مین مردانگی جو اُسنے کی
اہل انصاف اسکو بھولے ہین نہ بھولینگے کبھی

بالیقین جن مجرمون کو اُس نے سمجھا بے خطا — بار ثبل لا ہین ثبوت ان کی گواہی کا دیا
چین سے بیٹھا نہ جبتک ہوگیا اک اک رہا — جو کہ تھے نادار کی ان کی اعانت برملا
زر دیا کھانا دیا کپڑا دیا بستر دیا
بے ٹھکانون کو ٹھکانا بے گھرون کو گھر دیا

قصّے جھگڑون مین کبھی پڑنیکی جسکی خو نہ تھی — دی گواہی جسنے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی
جسنے صورت تک عدالت کی کبھی دیکھی نہ تھی — ہاتھ سے جسنے بڑون کی آن اب تک دی نہ تھی
بیگناہون کیلیے وہ رات دن چکر مین تھا
پانو اک اُسکا عدالت مین تھا اور اک گھر مین تھا

جبکہ عنقا تھی دیانت بین ابنا الزمان — تھی امانت جسکی اسکے پاس ہلکی یا گران
خوف مین پاس اپنے رکھا اسکو مثل پاسبان — کی حوالے مالکون کے جب ہوا امن و امان
ایک عالم تا خدا ترسی مین جب بیباک تھا
اُسکا دامن تھا کہ ہر دھبے سے بالکل پاک تھا

وضعداری مین نہ تھا اُس کا زمانہ مین بدل — وضع مین اسکی تغیر تھا نہ عادت مین خلل
وقت کی تاثیر کا اسپر نہ چلتا تھا عمل — انقلاب دہر کی زد سے گیا تھا وہ نکل
اسکے آگے ان نئے سانگون کی کچھ ہستی نہ تھی

اُس پہ چلتی کچھ زمانہ کی زبردستی نہ تھی

کی تھی جو بچپن سے طرزِ زندگانی اختیار
اُسمین فرق آیا نہ وقت واپسین تک زینہار
کوہ راسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار
وضع اُسکی جو کہ تھی وضع سلف کی یادگار

قوم کے از یاد رفتہ خواب کی تعبیر تھی
عہد عالمگیر اکبر شاہ کی تصویر تھی

سر پہ دُنیا کے علایق کا تھا گو بار گران
پر ہر اک حالت مین ہلکی پھول سی ہستی تھی جان
پا بگل دنیا مین پر دنیا کے غم سے برکران
رنج ہو یا ہو خوشی جب جا کے دیکھو شادمان

ظاہرا پابند تھا دنیا کی رسم و راہ کا
دل مگر پایا تھا ایسا جیسا اہل اللہ کا

منقبض اُسکو نہ مکروہات مین پایا کبھی
غم سے دنیا کے نہ پیشانی پہ بل لایا کبھی
دل کسی بادِ مخالف سے نہ کملایا کبھی
تلخیِ دوران سے چتون پہ نہ میل آیا کبھی

کی بسر دار المحن مین بزم عشرت کی طرح
عمر کاٹی دوزخ دنیا مین جنت کی طرح

مٹ گئی افسوس اک ایسی سلف کی یادگار
قوم مین جسکی مثال آئندہ کم دیکھینگے یار
گل کھلائے گی نئے گلشن مین اب بادِ بہار
رنگ ہوگا جنمین لیکن بو نہوگی زینہار

کرتے ہین جب ان حوادث کی نظر انجام پر
قوم مین اک ہم کو سناٹا سا آتا ہے نظر

اک زمانہ تھا کہ تھا ہم سے موافق روزگار
اہل علم و فضل و دانش کا نہ تھا ہم مین شمار
ایسے حاصل خیز دنیا مین نہونگے کشت زار
جیسے مردم خیز تھے اسلام کے شہر و دیار

مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یان
سورج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یان

پایہ اب پہنچی ہے ہم میں نوبتِ قحط الرجال — ایک اٹھ جاتا ہے دنیا سے اگر صاحب کمال
دوسری ملتی نہیں دنیا میں پھر اسکی مثال — ذات باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بے مثال
ظاہر اب وقتِ آخر ہے ہماری قوم کا
مرثیہ ہے ایک کا اب نوحہ ساری قوم کا

سنتے ہیں حالی سخن میں تھی بہت وسعت کبھی — تھیں سخنور کے لیے چاروں طرف راہیں کھلی
داستاں کوئی بیاں کرتا تھا حسن و عشق کی — اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی
گاہ غزلیں لکھ کے دل یاروں کے گرماتے تھے لوگ
گہ قصیدے پڑھ کے خلعت اور صلے پاتے تھے لوگ

پر ملی ہم کو مجال نغمہ اس محفل میں کم — راگنی نے وقت کی لینے دیا ہم کو نہ دم
نالہ و فریاد کا ٹوٹا نہیں جا کر سم — کوئی یاں رنگیں ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم
سینہ کوبی میں رہے جب تک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

۱۵- ترکیب بند مرتبہ ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۱۰ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں بمقام دہلی پڑھا گیا

یہ خاک آج جس پہ ہیں جمع اہلِ آرا — یاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا
اس باغ میں بہاریں جو جو گزر چکی ہیں — آنکھوں سے کھو رہے ہیں گویا سماں وہ سارا
کل جشنِ فتح تھا یاں ہے آج جشنِ شادی — ہر دم عروج پر ہے اسلام کا ستارا
بلبن کے آج مہماں خاقان ہیں اور سلاطیں — اک شہر ہے کہ دلی بلبن سے ہے پائدارا
فیروز شہ کی ہے کل کوٹھے سے آمد آمد — دولہا بنا ہوا ہے تزئین سے شہر سارا
تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل — ہر جا فصیل شہر پہ اہلِ سلاح آمادہ

مغلون کے اُڑ رہے ہین کل جشن فتح و نصرت
تیمور سے زمانہ ہے برسر مدارا

آتا ہے آج بابر لودی پہ فتح پاکر
ہین شوق شاہ نو مین پیر و جوان خود آرا

کل سوریون مین ہر سُو بجتے ہین شادیانے
مغلون کا آرہا ہے گردش مین پھر ستارا

ہے جشن فتح پھر آج جیتا ہمایون ہین برپا
اقبال نے ہے گویا مغلون سے قول ہارا

جس دھوم سے ہو گھر گھر جشن جلوس اکبر
ہے گرد اسکے آگے جشن قباد و دارا

شاہ جہان خوشی سے پھولا نہین سماتا
تعمیر ہو چکے ہین شہر و فصیل و بارہ

تیاری اس خوشی مین جشن عظیم کی ہے
گویا کہ ہے جہان مین جشن سدہ دوبارا

اطراف ہند سے ہین اعیان ملک آئے
پاکر حضور شہ سے سب جشن کا اشارا

ارکان سلطنت ہین سب پاے تخت حاضر
بالاے تخت طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا

وہ جشن کرنیوالے گو خاک مین نہان ہین
پر جشن انکے اب تک سب زیب داستان ہین

اے خاک پاک دہلی اے تختگاہ شاہان
پیش نظر ہین تیرے سب اگلے ساز و سامان

ہنگامے اس زمین پر لاکھون ہین گرم ہر سو
پر کوئی جشن تو بھی آتا نہین نظر یان

تقریب جشن جسمین ہو کچھ نہ جز اخوت
ملکون سے جمع آکر جسمین ہوئے ہون اخوان

پایین و صدر کا ہو جسمین نہ کچھ تفاوت
خرد و بزرگ کی ہو جسمین نشست یکسان

جن کو نہ ہو بلاوا حاکم کا اور نہ دستک
لایا ہو کھینچکر دل ان کو نہ حکم سلطان

خادم ہون جسقدر وان مخدوم قوم کے ہون
مخدوم جتنے ہون وان سب قوم پہ ہون قربان

خاطر کسی سے چاہے کوئی نہ وان اٹھانا
ہون خود ہی میزبان وہ اور خود ہی وہ ہون مہمان

ٹھہرائین جسکو چاہین وہ آپ میر مجلس
چاہین جسے بنائین وہ آپ میر سامان

[illegible] کہتے ہین جشن سدہ وہ جشن ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا مین سب سے اول جمشید نے [illegible] آگ نکلنے کی خوشی مین بڑی دھوم سے ایران مین کیا تھا ۱۲

آئے ہوں اس غرض سے سب مل کے تا کہ سوچیں — دنیا میں کس طرح ہوں سرسبز پھر مسلمان
ہندوستاں میں کیونکر باقی رہے نشانی — اس قوم کی کہ تھا کل جنکے وہ زیر فرمان
نکلیں تو کیونکہ نکلیں ذلت سے وہ گھرانے — اعزاز نے تھا باندھا جنکے بڑوں سے پیمان
ان مدرسوں کا کیونکر جاری رہے افاضہ — جن کے سبب ہی زندہ نام حدیث و قرآن
جو مسجدیں ہیں بہر ذکر خدائے واحد — محفوظ حادثوں سے کیونکر ہوں انکے ارکان
جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیر میں وہ سر پہ — اپنی طرف سے لیکن ہے سعی فرض انسان
اے شہ نشین اسلام اے معدن سلاطین — اے پایہ تخت سادات اے ارمغان مغلان

تو جشن گاہ شاہان ہر عہد میں رہا ہے
ایسا بھی جشن کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے؟

شاہوں کے جشن تھے وہ یہ جشن قوم کا ہے — شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑا ہے
دولت کے تھے وہ جلوے ملت کا ہے یہ نقشہ — کاغذ کی تھیں وہ ناویں بیڑا یہ نوح کا ہے
بے روح تھے وہ قالب ہے اس میں روح خوشی — موج سراب تھے وہ یہ چشمۂ بقا ہے
میلے نہ وہ بچھڑتے روح ان میں گر یہ ہوتی — رہتا ہے آندھیوں میں روشن یہ وہ دیا ہے
وہ دن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر — اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
بس سلطنت یہی ہے مل بیٹھنا ہمارا — یہ چھت نہ سمجھو سر پر یہ سایۂ ہما ہے
گم گشتہ بخت جسکو پھرتے ہیں ڈھونڈھتے ہم — لگتا ہے کچھ تو اس کا لگتا یہیں پتا ہے
وہ مشکلیں کریں گے اب حل یہیں تھیں جو کچھ — جن مشکلوں کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے
ہم میں اگر مخالف کچھ ہوں اس انجمن کے — معذور ہیں وہ ان سے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
فوج ملک کو اکثر سمجھا ہے فوج دشمن — حملہ ملک پہ اپنی اپنوں نے خود کیا ہے
نادم ہوئے ہیں لیکن روشن ہوا ہے جب دن — انسان سے یہ ہمیشہ ہوتی رہی خطا ہے
قدر ایسی مجلسوں کی مدت میں ہوگی ہم کو — ابتک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے

ہوتی ہے قدر ان کی بنتی ہے جان پر جب　　لاتے ہیں تب یہ ناؤ جب بیڑا ڈوبتا ہے
گو سب جہاز والے خطرے سے بیخبر ہیں　　پر رنگ ناخدا کا کچھ فق سا ہو رہا ہے

آفات بحر سے ہیں ناواقف آشنا سب
ہنستے ہیں ناخدا پر روتا ہے ناخدا جب

گلشن میں فصل گل کے سب مٹ چکے نشان ہیں　　پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خوان ہیں
طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خرامان　　اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچین و باغبان ہیں
غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی　　بیفکر و بیخبر ہیں بوڑھے ہیں یا جوان ہیں
اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں　　رستہ کدھر ہے ان کا اور جا رہے کہاں ہیں
فضل و کمال اُن کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں　　گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں
کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا　　کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں
تم سے تھمے تو تھامو عزت کو قوم کی کچھ　　اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یان ہیں
اک خضر رہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے　　رستے پہ دیکھیں چلتے اب کتنے کاروان ہیں
خدمت میں ان کی حالی کہتا ہے با ادب یہ　　اس وقت رونق افزا یاں جتنے مہربان ہیں
دنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو　　ورنہ بگڑنے کے یاں آثار سب عیان ہیں
عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں　　قدرت کے قاعدے جو دنیا پہ حکمران ہیں
جو اپنے ضعف کا کچھ کرتیں نہیں تدارک　　قومیں وہ چند روزہ دنیا میں میہمان ہیں
گھڑیال اور مگرمچھ ہیں اُن کو نگلے جاتے　　دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتوان ہیں
سنبھلو وگرنہ رہنا یاں اس طرح پڑے گا　　بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بے نشان ہیں

غفلتیں مبادا اب وہ زہر دکھائیں
دھندلے سے کچھ نشان ہیں ڈر ہے کہ مٹ نہ جائیں

اشعار متفرقہ

انمین اکثر وہ اشعار ہین جو لوگون کی فرمایش سے خاص خاص قعون پر اردو یا فارسی وغیرہ مین لکھے گئے ہین

تمہید رقعہ شادی عروسی

شکر کیجے کون سی نعمت کا خالق کی ادا　　ایک سے ہے ایک نعمت اسکی بندون پر سوا
اسکی قدرت کے خزانون مین نہین ہرگز کمی　　جس نے جو مانگا وہی اُس نے مہیا کر دیا
نخل تر کو پھل دیا اور پھل کو بخشا رنگ و بو　　سیپ کو موتی دیا موتی کو دی آب اور ضیا
کھیتون کو مینھ دیا مان باپ کو اولاد دی　　اس سے دی دنیا کو رونق اس سے آنکھون کو جلا
عمر بعد افزون عطا فرمائی پھر اولاد کو　　کل چھٹی تھی جنکی ہے دن آج انکے بیاہ کا
آؤ اسکے شکریہ مین ملکے باہم شاد ہون　　تا کہ صورت سے ہو ظاہر شکر انعام خدا

ایضاً

چھٹی بیاہ یا تیج تہوار ہو　　لب آب یا صحن گلزار ہو
گل و لالہ ہو یا ہو عطر و گلاب　　مے و نغمہ ہو یا ہو چنگ و رباب
یہ ساری خوشی کے ہین سامان جب　　کہ ہون ایک جا جمع احباب سب
بزرگون سے محفل کی شوکت بڑھی　　عزیز اور پیارون سے عزت بڑھی
جہان اسطرح جمع ہون چار یار　　ہین اس بزم پر لاکھ گلشن نثار

ایضاً

شکر کہ از فضل خدائے جہان / وقت خوشی از پردہ برآمد عیان
شادی دل را سبب آمد بدست / فرصت بزم طرب آمد بدست
تا شود از مقدم اہل کرم / کلبۂ ما غیرت باغ ارم

ایضاً

رفت آسیب زمستان باد نوروزی وزید / دوستداران را بشارت باد و یاران را نوید
طرح بزم خرمی باہم گر باید نہاد / نغمۂ شکر الٰہی دمبدم باید کشید

ایضاً

سَلَامٌ مِنْ مُحِبٍّ مُسْتَكِينٍ / يَلِيهِ الْخَيْرُ وَالْبَرَكَاتُ تَتْرَى
سَلَامٌ مِنْ دَعْدٍ يَرُوحُ وَيَرَاحُ / وَيَبْقَى بَعْدَهُ لِلْاَحْبَابِ بُشْرَى
وَدَعْوَةُ شَاهِدِينَ وَغَائِبِينَا / مِنَ الْاِخْوَانِ وَالْخِلَّانِ طُرًّا

خاتمہ رقعہ شادی

فَاَطْيَبُ الْعَيْشِ فِي الدُّنْيَا وَاَرْغَدُهُ / رَهِينَةٌ بِزِيَارَاتِ الْاَحِبَّا

ایضاً

ہزار دیدہ و دل فرش راہ یارانے / کہ از مسرت یاران مسرت اندوزند
بہ شادی و طرب ہمہ گر شوند انباز / ہزار رخ ز فروغ دلے برافروزند

ایضاً

کار احباب ساختن بتوان / دوستان را نواختن بتوان
تا بہ دہر ابر و باد خواہد ماند / از شما لطف یاد خواہد ماند

اشعار غزل ناتمام

اس زندگی کے ہاتھوں چین ایک دن نہ پایا / یہ جان ہے بدن میں یا خار ہے بدن میں

حاضر ہو جب نہ دل ہی ہو باغ و داغ یکسان
ہم دوستو گئے بھی تو کیا گئے چمن مین

ہے اک خراش دل مین وہ ہو کہ پھر نہ آئے
زخمی ہو پھر وہان بین اور پشتاتے ختن مین

تو اپنے بھولے پن سے شیدا ہوئی ہو ورنہ
اے فاختہ دھرا ہے کیا سرو نازن مین

ایضاً

کس قدر یارو ہوا ہو انقلاب
آ گیا یارون کے اقرارون مین فرق

خود بتائے گا تمھین دور زمان
بے وفاؤن اور وفادارون مین فرق

ان پہ ہم قربان ہین وہ ہم پر نثار
ہو بہت پیارون مین اور یارون مین فرق

ایضاً

گر نہو نیت گدا مین فرق
آئے کیون شاہ کی عطا مین فرق

ہین وفادار اور بھی لیکن
ہے مری جان وفا وفا مین فرق

اشعار قصیدہ ناتمام

یاد ایام کہ تھی باغ جوانی پہ بہار
نظر آتا تھا خزان مین بھی زمانہ گلزار

نشہ مین چور رہے تھے اک بادہ پر زور کے ہم
جس کا راحت مین نہ تکلف مین اترتا تھا خمار

سر پہ وہ دیو ہوی آ کے چڑھا تھا اپنے
یاد تھا جس کا نہ عامل نہ سیانے کو آتا

روکتا تھا جسے غارہ خندق کوہان
ہم تھے اس توسن سرزور پہ بن بات سوار

رہتے تھے اس شتر مست کی صورت بے قید
ہاتھ سے جس نے شتربان کے تڑا لی ہو مہار

پند گو ہوتے تھے جتنے کہ زیادہ دلسوز
انکی صحبت سے تھے اتنے ہی زیادہ بیزار

خیر خواہ اور تھے غمخوار مری جتنے
ان کی صورت سے ہمیشہ مین چڑھتا تھا بخار

ملکے ہمجولیون سے جہان مین جان آتی تھی
بیٹھنے اور ٹہلنے پہ زیست کا تھا اپنی مدار

اب نہ امنگین ہین وہ دل مین نہ ترنگین باقی
تیرے اے عمر گئے اب وہ کہان لیل و نہار

صدائے[1] گدایان قوم

ڈھونڈتے خضر مبارک پے کو یان آئے ہین ہم
چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کاروان آئے ہین ہم

مژدہ جو خوشدل ہین وہ سنکر ہون پژمردہ دل
سخت عبرت خیز لیکر داستان آئے ہین ہم

ہند مین اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن
لیکے اُس کا مژدۂ فصل خزان آئے ہین ہم

علم جو زندہ کیا تھا آپکے اجداد[2] نے
آج اُس در پر اُسی کے نوحہ خوان آئے ہین ہم

قوم کو بیٹھی ہے جو عباسیون کی یادگار
جستجو مین اُسکی مشعل لے کے یان آئے ہین ہم

تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
اسلیے ڈالے گلے مین جھولیان آئے ہین ہم

خود غرض ٹھہرائین یا سمجھین ہمکو یا گدا
دلنشین یہ کیجیے سب خاطر نشان آئے ہین ہم

فخر سب بیجا ہین اُن کے قوم ہو جنکی ذلیل
فخر و عزت کے مٹا کر سب نشان آئے ہین ہم

ہے بنی ہاشم کی مہمان پروری ضرب المثل
اس لیے یان بن بلائے میہمان آئے ہین ہم

تشنگی اپنی بجھانی ہوگی اے آب حیات
لیکے منھ مین قوم کی سوکھی زبان آئے ہین ہم

مژدہ قدوم حضور شاہزادہ ویلز در ہند

مژدہ ہو اہل مشرق اب دن پھرے تمھارے
مغرب سے سوئے مشرق آیا ہے مہرتابان

گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہان سے
ہے ایسے گلہ بان پر گلہ کی جان قربان

ہندوستان بھی تجھسے کچھ آجکل نہین کم
اے معدن بزرگی اے خاک انگلستان

تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے لیکن
ہندی بھی ان دنون ہین قسمت پہ اپنی نازان

مہمان ہے آج اُن کا اس شاہ کا ولی عہد
روئے زمین کے سلطان جسکے ہین میہمان

[1] پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چندہ بہت لوگون نے جنہون نے اپنی جماعت کا نام گدایان قوم رکھا ہو ریاست بھاولپور مین چندہ وصول کرنیکے لیے جانیکا ارادہ کیا تھا۔ انکا قصد نواب کے حضور مین یہ اشعار پڑھنے کا تھا لیکن غالباً انکا جانا نہین ہوا ۱۲

[2] چونکہ رئیس بھاولپور بنی عباس سے ہین اور عباسیون کی خلافت مین علم کو بہت ترقی ہوئی تھی اسلیے مضمون اسطرح ادا کیا گیا ۱۲

شکریہ[1] عطائے مدرسۂ نواب غازی الدین خان مرحوم واقع اجمیری دروازہ دہلی بحضور سر جیمس لائل لفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب از طرف طلبائے اینگلو عربی اسکول دہلی

آئیے اے دلی کے دل آرا　　شہر دعا گو سب ہے تمھارا
شکر کا ہم کو گو نہیں یارا　　پر یہ ہے کہنا فرض ہمارا

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

ہے دلی کے تخت کا جوبن　　شہر میں آیا شہر کا محسن
وصف تمھارا گو نہیں ممکن　　رہ نہیں سکتے پر یہ کہے بن

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

آپ نے ہم پر بھیجے ہیں افسر　　کیسے کیسے رعیت پرور
جن سے ہی ہندستان منور　　فخر ہے انگلستان کو جن پر

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

آر کلاک احسان کا پتلا　　آدمی کی صورت میں فرشتہ
تھا دلی پہ فضل خدا کا　　تم نے جو دلی میں اسے بھیجا

[1] چونکہ یہ نظم صغیر سن طالب علموں کے لیے لکھی گئی تھی تاکہ وہ ہز آنر کے روبرو مجتمع ہو کر بطور کورس کے گانے کی لے میں پڑھیں اس لیے بچوں کی سمجھ کے موافق نہایت سیدھے سادے الفاظ جمع کر دیے گئے ہیں ۱۲-

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آب و ہوا سے شہر کی ساری — آئی تھی خلقت جان سے عاری
تم نے لگا کر نل اک باری — چشمۂ حیوان کر دیا جاری

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

یوں تو ہیں سب احسان مسلّم — سب سے ہے پر احسان مقدّم
تخم تعلیم میں کم سب سے ہم — تم نے مدد کی اپنی پیہم

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

جوبلی کے جو خاص وظیفے — پانچ برس کو ہم کو ملے تھے
لطف سے سوا اس کی بڑھا کے — جیت لیے دل آپ نے ہم سے

جب تک شہر آباد رہیگا
نام تمہارا یاد رہے گا

مدرسہ تھا بے شور ہمارا — تھا نہ کہیں بیٹھنے کا سہارا
مانگے تانگے پر تھا گزارا — مٹ گیا اب خلجان یہ سارا

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آپ کو پھر رحم جو آیا — گھر یہ بڑا ہم کو دلوایا
خرچ مرمت کا بھجوایا — ٹوٹے پھوٹے کو بنوایا

جب تک شہر آباد رہیگا — نام تمہارا یاد رہے گا

درس کے کمرے جس میں ہیں اکثر — قدر ضرورت سے کچھ بڑھ کر
بورڈروں کے رہنے کو ہیں گھر — کھیلنے کو میدان ہے سراسر

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

شہر میں جا کالج کو عطا کی — کین اصلاحیں آب و ہوا کی
شہر کی جو حاجت تھی روا کی — شرط حکومت تم نے ادا کی

جب تک شہر آباد رہیگا
نام تمہارا یاد رہے گا

تم میں ہیں جو جو فضائل — وہ نہیں کچھ محتاج دلائل
لوگ سب اسکے دل سے ہیں قائل — او اسرائل - او اسرائل

جب تک شہر آباد رہیگا
نام تمہارا یاد رہیگا

اشعار مدحیہ

بحضور سر ڈینس فٹزپٹرک لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب - انبالہ کے ایک بانی مدرسہ کی طرف سے

قیصر ہند کے ہیں سیکڑوں احسان جہان — اس کا پنجاب پہ ہے سب سے بڑا احسان
حکمراں آئے ہیں پنجاب میں اب تک جتنے — ایک سے ایک کا پلہ ہے عدالت میں گران
جبکہ سر چارلس نے پنجاب کو چھوڑا - اسدم — وقت رخصت تھا ہر اک انکو حسرت نگران
حال جو ہوتا ہے بچوں کا بچھڑ کر ماں سے — یہی احوال تھا پنجاب کا بے وہم و گمان
جانشین اُن کے ہوئے آن کے جب سر لائل — عہد سابق کو گئے بھول سب اپنا بے زبان
شک ہے عہدہ برآ اُسکے نہیں ہو سکتے — رحم و انصاف ہوا ذات سے جو انکی عیان
اٹھ گیا سر سے جب اس ابر کے سایہ اِن کا — ہاتھ میں آپ نے لی آکے حکومت کی عنان

کارفرما تھے جب اضلاع میں پنجاب کے آپ — معدلت آپکی اسوقت سے مشہور ہے یاں
حیدرآباد میں۔ میسور میں۔ کلکتہ میں — نیکنامی کے کیے کام رہے آپ جہاں
ہے یہ اب آپ سے امید کہ پنجاب میں بھی — مشکلیں آپ سے سب ملک کی ہونگی آسان
بعد سر لائل و سر چارلس کے سر ڈینس بھی — چھوڑ جائینگے ہر اک دل پہ عقیدت کے نشان

انگریزی اشعار کا ترجمہ

وہ دل رُبا امیدیں جن پر کہ تو ہے شیدا — جب دور تیرے دل سے ہو جائینگی سراپا
وہ عالم جوانی جس پر کہ تو ہے مفتون — جاسے گا ٹوٹ جسدم اس کا طلسم سارا
جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہے تو نے سبکو — تھا جو کہ تجھکو اپنا آرام دل سمجھتا
چل دینگے جب وہ سارے، اُن بلبلوں کی مانند — بعد از بہار جو کچھ کرتیں نہیں چمن کا
جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ — کون آکے دے گا تجھکو اسکے سوا سہارا
بے مہریوں سے تو نے جسکو کیا ہے غمگین — تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آکے لے گا
جسطرح وہ پرندہ جو فصل گل میں جاکر — پھر موسم خزاں میں آکر ہے ہم سے ملتا

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایک دن وقت نے دولت سے کہا — سچ بتا تجھ میں ہے فوقیت کیا
تو ہے سرمایۂ عزت یا میں — تو ہے انسان کی دولت یا میں
ہے زمانہ میں بڑی بات تری — دیکھیں ہم بھی تو کرامات تری
وقت سے سنکے یہ دولت نے کہا — تجھکو اے وقت نہیں عقل ذرا
ہے عجب جسکو خدائی مانے — اس کی تو خوبیوں میں شک جانے
مشتہر ہے کہ گلشن دنیا تجھ سے — لیتے ہیں توشۂ عقبیٰ تجھ سے

نام اقبال ہے آنے کا مرے — لقب ادبار ہے جانے کا مرے
مجھ سے پاتے ہیں ہنر نشو و نما — علم بھی ایک طفیلی ہے مرا
لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال — لاکھ رکھتا ہو کوئی حسن و جمال
خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں مگر — میں نہ ہوں تو نہیں کچھ عبد البشر
چند روز آ گئی ہیں جس کے کام — زندہ تا حشر رہا اس کا نام
جس سے مجھ کو نہ سروکار رہا — وہ سدا خوار و نگوں سار رہا
منہ ذرا جس کو لگا لیتی ہوں — اس کی میں شان بڑھا دیتی ہوں
چاہتے ہیں مجھے سب خرد و کلان — مجھ پہ ہیں دھن میں مری پیر و جوان
گر نہ ہوں میں تو کوئی کام نہ ہو — کسی آغاز کا انجام نہ ہو
کوئی حاجت نہ ہو دنیا کی روا — درمیاں گر نہ قدم ہو میرا
ہیں رکھائی سے مری سب لرزاں — میرے اغماض سے ڈرتا ہے جہان
جس کو دنیا میں نہیں راہ کروں — ہو اگر شیر تو روباہ کروں
الغرض ہے وہ مری شان عظیم — کرتے آئے ہیں جسے سب تسلیم
جز سمجھتے ہیں خوشی کی مجھکو — میری عظمت نہیں یاد تجھکو
تو بتا فخر ہے تجھ میں وہ کیا — جس نے مجھ سے تجھے گرا کیا
وقت نے سن کے کہا اے دولت — شک نہیں ہیں بڑے رتبے دولت
ساری تو خوبیوں کی جڑ ہے مگر — اپنی جڑ کی نہیں کچھ تجھ کو خبر
تو جو اپنے پہ ہے نازاں اتنی — اپنی اصلیت سے ہے غافل کتنی
کیجیے عرض تجھے گر [illegible] — تو ہوں [illegible]
میں ہوں یا تو ہے اساس امکاں — [illegible] ناداں
تو جھپٹی ہے تو [illegible] میں ہوں — [illegible]

ہے قرابہ ترا اگر عطر آگین　　میں ہوں اُس عطر کی والسدزمین
ہے عبث تجھکو تفوق کا خیال　　تو ہے گر مال تو میں راس المال
جنکے قبضے میں ہوں میں اہل دولت　　تجھپہ رکھتے ہیں وہ دستِ قدرت
لاکھ بار اُن سے اگر بھاگے تو　　بڑھ کے جا سکتی نہیں آگے تو
اُن کی مٹھی میں ہے تو اے دولت　　طائر رشتہ بپا کی صورت
نہ کہ میں جس کا بدل ہے مفقود　　جس کا نایاب ہے عالم میں وجود
کھو کے مجھکو کوئی پاتا نہیں پھر　　جا کے میں ہاتھ سے آتا نہیں پھر
ایک پل میری اگر دیجے گنوا　　لیجے ہاتھ اُس سے ہمیشہ کو اُٹھا
تو اگر اپنی لٹا دے ثروت　　پل وہ ملتی نہیں پھر اے دولت
ہیں اسی واسطے جو اہل تمیز　　میری ایک ایک پل ان کو ہے عزیز
میرے جو لوگ کہ ہیں قدر شناس　　ہے مرا جاگتے سوتے اُنھیں پاس
جانتے ہیں حکما و عرفا　　مجکو سرمایۂ دین و دنیا
دل میں جن کے مری کچھ قدر نہیں　　اُنکی قسمت میں نہ دنیا ہے نہ دین
نہ کوئی کام ہو اُن سے انجام　　نہ ارادہ ہو کوئی اُن کا تمام
نہ اُنھیں دین کی دولت ہاتھ آئے　　اور نہ دُنیا کبھی اُن سے تپیائے
نہ ادا صوم ہو اُن سے نہ صلوٰۃ　　نہ ہو قدرت میں حج ان کی نہ زکوٰۃ
نہ مدد اُن سے کچھ اپنی کی جائے　　نہ خبر اُن سے کسی کی لی جائے
گُن تو ہیں مجھ میں بہت اے دولت　　ہے مگر تنگ مجال فرصت
بس زیادہ نہیں مہلت مجھ کو　　بحث کی اب نہیں طاقت مجھ کو

اس میں ہے میرا سراسر نقصان
کہ ہے انمول مری ایک اک آن

ناقصون کے دعوے کاملون کے سامنے فروغ نہین پاتے

ہے لیاقت جنمین کچھ قدر قلیل
اور سمجھتے آپ کو ہین بے عدیل

اُن کو ایسون سے نہین ملنا روا
جو لیاقت رکھتے ہین اُن سے سوا

اونٹ اگر سمجھے بڑا اپنے تئین
دیکھنا لازم پہاڑ اسکو نہین

سر مین ہے جگنو کے یہ سودا اگر
شے نہین مجھسے کوئی تابندہ تر

چاہیے دن کو نہ نکلے زینہار
ورنہ ہو گا اپنے جی مین شرمسار

قطعات تاریخ اور تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

راقم کو فی الواقع مادۂ تاریخ نکالنے کا ڈھب نہین ہی۔ اور اگر کبھی ایسی ضرورت پیش آئی ہی تو نہایت دقت سے اکثر تخرجہ یا تعمیہ کے ساتھ اور کبھی حسن اتفاق سے بغیر اسکے بھی تاریخ سرانجام ہوئی ہی بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہی کہ مادۂ تاریخ کسی دوست نے نکال دیا اور اسپر صرف مصرعے لگا کر تاریخ کے مالک بن بیٹھے لیکن چونکہ غلطی سے تاریخ گوئی کو جزو شاعری سمجھا گیا ہی اسلیے اکثر طوعًا و کرہًا یارون کی فرمایش سے اور کبھی کبھی اپنی اُپج سے بھی تاریخین لکھنی پڑی ہین

ایک بزرگ کے پاس لوگ اکثر تعویذ گنڈے کے لیے آیا کرتے تھے۔ ایک روز فرمانے لگے کہ عباسیون کے عہد مین ایک شخص نے نبوت کا دعوی کیا۔ لوگ ایک قفل کو بند کرکے اسکے پاس لے گئے کہ اگر فی الواقع تو خدا کا بھیجا ہوا ہی۔ تو یہ قفل بغیر کنجی کے کھولدے۔ اُس نے کہا بھائی مین نے نبوت کا دعوی کیا ہی۔ آہنگری کا دعوی نہین کیا۔ انکا مطلب اس نقل سے یہ تھا کہ ہمنے خدا کی طلب مین درویشی اختیار کی تھی یہ معلوم نہ تھا کہ عامل اور سیانا بھی بننا پڑے گا۔ یہی حال ہمارے ملک مین اُن لوگون کا ہی جو شاعری مین بدنام ہین تو کسی مصرف کے سمجھے نہین جاتے اور درحقیقت ہین بھی نہین البتہ لوگون کی غرض کبھی کبھی اُن سے اس وقت متعلق ہوجاتی ہی جب کوئی مہتم بالشان واقعہ ظہور مین آتا ہی مثلاً کسی اصطبل کی مرمت ہوئی۔ یا گھوڑا آختہ کیا گیا۔ یا کسی کی مینا مر گئی۔ یا مرغ پالی جیتا۔ یا بلی نے بچے دیے ایسے وقت مین شعرا کو مقابلہ کے امتحان کا موقع مل جاتا ہی جو شخص مادۂ تاریخ فی الواقع یا صاحب فرمایش کے نزدیک سب سے اچھا نکال لاتا ہی اس کا فی الجملہ اعتبار بڑھجاتا ہی

راقم چونکہ تاریخ نکالنے مین سدا سے ہیٹا تھا اِس لیے ہمیشہ اس امتحان سے کترا تا رہا۔ لیکن بُری بھلی چند تاریخین جو کبھی کبھی دوستون یا بزرگون کی فرمایش یا اپنے دل کی خواہش سے لکھی تھین ان مین سے جسقدر سردست بہم پہونچین دیوان مین شامل کردی گئین تاکہ دیوان کے ضروری اخلاط مین سے ایک خلط کم نہو جائے۔

تاریخ وفات مرزا غالب مرحوم دہلوی

غالب نے جبکہ روضۂ رضوان کی راہ لی — ہر لب پہ آہ سرد تھی ہر دل مین درد تھا
اُس دن کچھ اہل شہر کی افسردگی نہ پوچھ — دُنیا سے دل ہر اپنے پرائے کا سرد تھا
حالی کہ جسکو دعوی تمکین و ضبط ہے — دیکھا تو دل پہ ہاتھ تھا اور رنگ زرد تھا
تھا گو وہ اک سخنورِ ہندوستان نژاد — عرفی و انوری کا مگر ہم نبرد تھا
اِس قافلہ مین آکے ملا گو وہ سب کے بعد — اگلون کے ساتھ ساتھ مگر رہ نورد تھا
ہم اور صبح و شام یہ اندوہ جان گزا — دل تھا کہ فکرِ سال مین بے خبر گرد تھا
ناگاہ دی یہ غالبِ مرحوم نے صدا — سچ ہے کہ خواجہ راہنمائی مین فرد تھا
"تاریخ ہم نکال چکے پڑھ بغیر فکر — "حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"
۱۲۱۱ ۳۰۰ ۲۱۹۶

تاریخ وفات محمد ابراہیم جوان مرگ طالب علم بی۔اے کلاس دہلی کالج

محمد براہیم چون ترک جان گفت — زنخلِ جوانی ثمر برنخورده

ل یہ تاریخ غالب مرحوم کی غزل کے ایک مصرعہ سے نکالی گئی ہے۔ اُن کی غزل کا مقطع یہ ہے "یہ لاش بےکفن اسدِ خستہ جان کی ہے ✦ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا" اخیر مصرعہ کے اعداد ۲۱۹۶ ہوتے ہین جب انمین سے لفظ تاریخ کے عدد ۱۲۱۱۔ اور لفظ فکر کے عدد یعنی ۳۰۰ کا تخرجہ کیا گیا تو ۱۲۸۵ باقی رہے اور یہی ان کا سال وفات ہے مختصر صورت تاریخ کی یہ ہوئی ۲۱۹۶ - (۱۲۱۱ - ۳۰۰) = ۱۲۸۵ھ۔

بگفتم ز روے الم سال فوتش — بجان آفرین جان شیرین سپرده

۱۲۹۲ + ۱ = ۱۲۹۳ھ

تاریخ وفات سید خواجہ ناصر وزیر مرحوم دہلوی

جب ہوے ناصر وزیر راہی ملکِ بقا — سب ہوئے اندوہگین شہر کے برنا و پیر
دل نے کہا ہر جگہ پھبتی ہے چیز اک جدا — باغ میں نسرین و گل چرخ پہ مہر منیر
عیش میں شعر و غزل سوگ میں تاریخ مرگ — غیب سے آئی ندا "خلد میں ناصر وزیر"

۱۲۹۸ھ

تاریخ طبع جغرافیہ بے مثال مؤلفہ خواجہ سید شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

وہ جغرافیہ جس کی تھی احتیاج — چھپا مژدہ اے طالبانِ کمال
نئی طرز کا ہے یہ جغرافیہ — عیاں جس سے ہے ربع مسکون کا حال
ملی طرفہ تر اس کی تاریخ طبع — وہ خود طرفہ ہے جیسے بے قیل و قال
اگر سال ہجری کی ہے جستجو — تو جغرافیہ خود بتاتا ہے سال ۱۲۹۹ھ
ہو مطلوب تاریخ گر عیسوی — کہو اس کو جغرافیہ بے مثال ۱۸۸۲ء

تاریخ بپایان رسیدن بنائے سید مہربان علی مرحوم رئیس گلاوٹھی در بلند شہر

علی آن سید والا کہ باشد — بنامش مہربان جزوے ز اجزا
بود با ذات او توام سیادت — چنان کز نام او مہرست پیدا
چو این کاشانہ را بنیاد بنہاد — بعہد حاکم بیدار و دانا
ز فیض آن فیض گستر کز وجودش — شد این معمورہ چون گلشن سراپا
چنین گفتست حالی سال تعمیر — مکان بے نظیر آباد بادا

۱۲۹۹ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور آصف جاہ نظام الملک میر محبوب علی خان بہادر فرمانروائے ملک دکن

بسال فرخ و ماہ سعید و روز فرخندہ — نظام الملک محبوب علی خان آصف ثانی
بہ تخت سلطنت بنشست حالی گفت تاریخش — برلے دی مبارک تاج و اورنگ جہانبانی
۱۳۰۱ھ

تاریخ تالیف قواعد اردو مولفہ خواجہ شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

قواعد ہے یہ اردو کی کہ جس کا — بیان شافی ہے اور ترتیب محکم
کتابین اس سے پہلے تھین بہت سی — زیادہ حجم مین اور نفع مین کم
مگر یہ مختصر ہے اک رسالہ — کہ ہین جس مین قواعد سب فراہم
وجود اس کا ہو گو سب سے موخر — پہ خوبی مین ہے اکثر سے مقدم
جو قیمت پوچھیے تو ہے بہت سہل — نہ دینار اسمین لگتے ہین نہ درہم
اگر نام اس کا تاریخی ہو مطلوب — تو ہے اے طالبو "اکسیر اعظم"
۱۳۰۲ھ

تاریخ رحلت نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم دہلوی

دردا کہ ضیاء دین احمد بربست[1] — رخت سفر از جہان کہ جای الم است
از طاق و ز ایوان و ز بزم و خلبسا — بگسستہ بہ رحمت الٰہی پیوست

[1] یہ تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ ۹۲۹ مین سے جو کہ ضیاء دین احمد کے اعداد ہین ۳۲۱ جو کہ طاق، ایوان، بزم، اور خلبسا کے اعداد کا مجموعہ ہے تفریق کرکے باقی یعنی ۶۰۸ کو ۶۹۴ مین جو کہ رحمت الٰہی کے اعداد ہین ملانے سے ۱۳۰۲ حاصل ہوتے ہین اور یہی نواب مرحوم کا سال وفات ہے مختصر صورت تاریخ کی یہ ہے ۹۲۹ (۱۱۰ + ۶۸ + ۴۹ + ۹۴) = ۶۰۸ + (۶۹۴) = ۱۳۰۲ھ —

تاریخ طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب متخلص به عاشق

جوان مرد آزاده عاشق که نیست — در اقرانِ خود کس مر او را قرین
نه صیاد و همواره از حسنِ خلق — پے صیدِ آزادگان در کمین
نه سحّار و پیوسته ز افسون نطق — کشد ز آشیان باز و شیر از عرین
همے بارد از جبهه اش انبساط — اگر مهربان ست و گر خشمگین
نه بینیش گه سر که بر ابروان — نه یابیش افتاده چین بر جبین
دو سال ست کافسون مهر و وفاش — ربوده ست صبرم ز جان حزین
ولے دیده پیوند نا آشنا — که بوده ست فارغ ز مهر و ز کین
ندانم که عاشق چه افسون دمید — که در باخت خود را بمهرش چنین
سر رشته هیهات دادم ز دست — سخن ز آسمان بود و رفت از زمین
کنون را نم از طبعِ دیوان سخن — که شد جلوه فرما به نوعے گزین
درین روزها کز صروف زمان — سخن شد مهان و سخنور مهین
عروسِ سخن می نیرزد بجو — به حسن ار بود غیرتِ حورِ عین
صد آباد بر عاشق و عزمِ او — که در دورِ ناسازگاری چنین
ز معنی به بیگانه و آشنا — فشانده ست گنجینه از آستین
چو دیوان اردوی عاشق که هست — صنمخانهٔ طرفه گفتی ز چین
بپیرایهٔ طبع آراستند — شنید ندا از هر کنار آفرین
سخن گسترش بود ارشے در جهان — ز شادی نه گنجید در پوستین
چو حالی همے جست تاریخِ طبع — صنم خانهٔ عاشق آمد سنین

۱۳۰۷ھ

تاریخ بنائے چاہ در محوطۂ مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڈھ
بحساب سال بعثت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
بحسن سعی جناب آنریبل سر سید احمد خان بہادر

ہدایت کیجیے اگر سال ہجرت کی محرم سے — تو کہیے سال بعثت کا مہ شوال کو مبدا
کلام اللہ اُترا آخرِ ماہِ مبارک میں — ہوا اس واسطے شوال مبدا سال بعثت کا
نکالے یہ مبارک سن جناب سید احمد نے — بنایا جس نے دار العلم کا یہ چشمۂ زیبا
ز روئے سال بعثت چونکہ تھی تاریخ کی خواہش — کہا ہاتف نے حالی سے کہ "چشمہ فیض احمد کا"
۱۳۱۲ھ

تاریخ طبع ترجمہ تاریخ دربار قیصری بحساب سال عیسوی

پنجاب کے ادارۂ تعلیم عام نے — ایک اور کام ملک کے حق میں کیا ہے خوب
دربار قیصری کی جو تاریخ تھی چھپی — اب ترجمہ اسی کا مرتب ہوا ہے خوب
ہیں لفظ دلکشا تو مضامیں ہیں دلنشیں — ہے ترجمہ نفیس تو طرز ادا ہے خوب
چھپ کر ہوا تمام تو حالی نے یوں کہا — "دربار قیصری کا مرقع چھپا ہے خوب
۱۸۸۲ء

تاریخ بنائے مہمان سرا در موضع موں واقع پنجاب بحساب سال عیسوی

بحر کرم آن وزیر چند کہ باقی ست — نام بزرگان موں ز بذل و نوالش
ساختہ منزل گہے چو بہر غریبان — تکیہ گہ ہر غریب آمدہ سالش
۱۸۷۷ء

تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

تاریخ وفات غفران مآب نواب محمد مصطفےٰ خان مرحوم رئیس جہانگیرآباد متخلص بہ حسرتی و شیفتہ

جَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنّٰتٍ وَحَرِيرًا

آیۂ قرآنی میں بما صبروا جنۃ وحریرا ہے چونکہ تاریخ وفات میں ایک عدد کی کمی ہوتی تھی اس لیے جنۃ کی جگہ جنات کر لیا گیا ہے جیسا کہ نواب آصف الدولہ کی مشہور تاریخ میں بجاے فروح وریحان وجنت نعیم کے فہ روح وریحان وجنات النعیم کر دیا ہے۔

چونکہ نواب مرحوم نے مرض الموت میں مرض کے شدائد و آلام بے نظیر صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیے تھے اس لیے اس آیت کا مضمون اُن کی وفات پر نہایت مناسب تصور کیا گیا یعنی جناب باری نے بعوض اُنکے صبر کے بہشت اور بہشت کا لباس اُنکو عنایت کیا۔

تاریخ وفات نواب محمد نقشبند خان مرحوم ولد اوسط نواب محمد مصطفےٰ خان مرحوم رئیس جہانگیرآباد

وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ

۱۲۹۴ھ

چونکہ عزیز موصوف ایک وجیہ و شکیل آدمی تھے اور اُن کی وفات عنفوانِ شباب میں واقع ہوئی تھی اس لیے یہ آیت اُن کی تاریخ وفات کے لیے نہایت مناسب اور موزون سمجھی گئی۔ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کے ذکر میں ارشاد فرماتا ہے کہ "پہنائے گئے اُن کو چاندی کے کنگن" بجاے مضارع کے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ گویا اُن کی مغفرت ہو چکی اور اہلِ جنت کے تمام حقوق اُن کو مل چکے۔

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کی تاریخ وفات قرآن مجید سے برآمد ہوئی اور پھر ایک ہی سورت یعنی سورۂ دہر سے نکلی اور دونوں آیتیں اہل جنت ہی کے ذکر میں واقع ہوئی ہیں۔

تاریخ بنائے آئینہ خانہ در ریاستگاہ بھاولپور

کَاَنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنَ الْقَوَارِیْرُ

۱۲۹۶ ہجری

قرآن مجید میں اصل آیت "اِنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْر" ہے تاریخ میں بضرورت تکمیل اعداد اور نیز بمقتضائے مقام اِنَّہٗ کی جگہ کَاَنَّہٗ کر دیا گیا ہے مگر چونکہ اس سے بھی اعداد پورے نہیں ہوتے تھے اس لیے قواریر میں الف لام بڑھا کر اَلْقَوَارِیْرُ کر دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہان جب سبا کی بادشاہزادی بلقیس اول ہی دفعہ وارد ہوئی تو اُس کو شیش محل کے صحن پر جسمین آئینے لگے ہوئے تھے یہ گمان ہوا کہ گویا پانی بھرا ہوا ہے۔ اُس نے فوراً پائینچے چڑھا لیے حضرت سلیمان نے کہا "اِنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْر" یعنے یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہین۔ تاریخ بنا مین اِنَّہٗ کی جگہ کَاَنَّہٗ کر دینے سے یہ معنی ہو گئے کہ گویا یہ وہی سلیمانؑ کا شیش محل ہے۔

یہ تاریخ ایک دوست کی فرمائش سے جو اُس وقت بھاولپور مین ملازم تھے بھیجی گئی تھی مگر ایسا سنا گیا تھا کہ پسند نہین آئی۔ نہ اس لیے کہ اسمین وہ جگہ اپنی طرف تصرف کیا گیا ہو بلکہ اس لیے کہ نواب صاحب کا نام اُس مین نہین تھا۔

تاریخ ولادت فرزند در حرم سرائے نواب آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

لِمَا حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ

۱۳۰۸ھ

اس آیت سے سنین مطلوبہ یعنی ۱۳۰۸ھ اسطرح نکلتے ہین کہ آیت کے جملہ اولی یعنی "لما حاش للہ ما ھذا بشرا" کے اعداد ۱۶۹۵ ہین۔ ان مین سے ھذا کا تخرجہ اور ملک کریم کا بجائے اسکے تعمیہ کرنے سے ۱۳۰۸ حاصل ہوجاتے ہین۔

تخرجہ و تعمیہ کا اشارہ گویا ان ھذا الا ملک کریم سے نکلتا ہے کیونکہ اس جملے کا ترجمہ اگر یون کیا جاے کہ نہین ہے "ھذا" مگر ملک کریم" تو اس سے یہ مطلب مستفاد ہوگا کہ اوپر کے جملے مین "ھذا" کی جگہ "ملک کریم" رکھدو اور اسی طرح ۱۳۰۸ حاصل ہوجاینگے اصل آیت مین حاش للہ ہے بضرورت لام اضافہ کرکے لما حاش کردیا گیا ہے آیت کا ترجمہ یہ ہے (حاشا للہ یہ بشر نہین ہے یہ تو ہو نہو کوئی معزز فرشتہ ہے) جو عورتین زلیخا کی فریفتگی پر اُس کو ملامت کرتی تھین جب حضرت یوسف دفعتاً اُن کے سامنے آئے تو اُس وقت جو الفاظ اُن کے مُنہ سے نکلے تھے اُن کو قرآن مین اسطرح نقل کیا گیا ہے۔

تاریخ وفات حسین برادر راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم متخلص بہ مظہر

سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

۱۳۱۳ھ

یہ تاریخ برادر زادہ راقم حافظ اخلاق حسین سلمہ اللہ تعالی نے اپنے والد مرحوم کی وفات سے چند روز پہلے عین تلاوت کے وقت قرآن مجید سے اقتباس کی تھی جس سے کم و کاست سال وفات برآمد ہوتا ہے چونکہ یہ مادہ ندرت سے خالی نہ تھا اسلیے بوجہ اتحاد کے اپنی تاریخون

کے ساتھ اس تاریخ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ تاریخ برادر مرحوم کے سنگ قبر پر جو کہ دلّی مین حضرت خواجہ باقی اللہ قدس سرہ کے جوار رحمت مین واقع ہے کندہ ہے۔

قطعات تاریخ از نتائج طبع جناب خواجہ امداد حسین مرحوم متخلص بہ مظہر

چونکہ برادر مرحوم کی بہت سی تاریخون مین سے یہ چند قطعے باقی رہ گئے تھے اور انکی اشاعت کے لیے کوئی اور موقع نہ تھا اس لیے بطور یادگار اُن کو بھی اپنے دیوان مین شامل کر لیا گیا ہے۔

تاریخ وفات جناب مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی غفر اللہ لہ متخلص بہ عالم[2]

آن قلندر علی وحید زمان	در نجابت زبیری و سندی
خاک پانی پت از سکونت او	در جہان شد علم بہ مستندی
مرد و با خویش برد حکمت و علم	ماند خلقے بہ کوسے نابلدی
جز دل او کہ بود جملہ صفا	نقد ہر کیسہ جید ست و ردی
جز کتابش[1] کہ بد ہمہ حسنات	درج ہر نامہ نیکی ست و بدی
گفت سال وفات او مظہر	رفت عالم بہ جنت ابدی

۱۲۹۳ھ

تاریخ وفات حافظ سعد اکبر مرحوم بانی مدرسۂ اسلامیہ پانی پت

چو سعد اکبر آن یاری گر قوم	کہ مرا اہل وطن را بود یاور
سوے جنت ز دنیا رخت بر بست	ازین غم تافت دلہا ہمچو آذر
دریغ آن نیک خواہ جملہ احباب	دریغ آن غمگسار ہر برادر

[1] کتاب سے مراد نامۂ اعمال ہے ۱۲

[2] مولوی قلندر علی مرحوم عالم تخلص کرتے تھے ۱۲

دریغ آن درسگاہ اہل اسلام | کہ ماند از زمرّدش بے برگ و بے
چنین سال وفاتش یافت مظہر | شدہ جنت مقام سعد اکبر ۱۳۰۰ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور نواب آصفجاہ نظام الملک میر محبوب علیخان بہادر دام اقبالہ فرمانروائے دکن

شاہ دکن چون نہاد حسب مراد عباد | افسر دولت بہ فرق پایہ براورنگ داد
سال جلوسش خرد گفت کہ بے سر شد | فتنہ و فسق و فجور و شر و فریب و فساد ۱۳۰۰ھ

ایضاً

عیان شد چو عید جلوس نظام | بسے خوشتر از عید وصل حبیب
خرد فرق اعدا تراشیدہ گفت | کہ نصر من اللہ و فتح قریب ۱۳۰۰

تاریخ ولادت فرزند ارجمند کاشانۂ اقبال حضور نظام دام اقبالہ

شد چو خورشید شرف طالع بمشکوئے نظام | قدسیان گفتند شمع ملک و دولت آمدہ
مظہر اندر فکر تاریخ ولادت رفتہ بود | عقل گفت این لعل از کان شرافت آمدہ ۱۳۰۱

تاریخ مدار المہامی نواب میر لائق علیخان مرحوم در سرکار عالی

دوش کردم ز عقل چند سوال | کو ست حلال مشکلات و عقد
گفتمش کے بود کہ شاہ دکن | بنشیند بہ مسند اب و جد
گفت جشن جلوس فرخ او | در ہزار است و سی صد ست و احد
گفتمش پس کہ باشدش دیوان؟ | قرعہ بر لائق علی خان زد

گفتمش سنگہا دریں بنا ز استے — گفت زود اکہ حق بہ خواجہ رسد
گفتمش خواجہ کے شود دیوان — گفت "حق میرسد بہ کز خود"
١٣٠١

تاریخ بنا و مرمت مسجد مولانا حاجی ابراہیم حسین صاحب انصاری اثنا عشری پانی پتی دام ظلہم العالی

جعفری مذہبے بنا فرمود — بیت حق را کہ اعظم است و قدیم
خبرش داد ہم صادق — کرد تعمیر کعبہ ابراہیم
١٣٠٠

بانی مسجد یعنی مولانا ابراہیم حسین صاحب کے والد کا نام اعظم علی اور اُن کے چچا کا نام جعفر علی اور دادا کا نام صادق علی یہ تینون نام اور خود بانی کا نام قطعۂ تاریخ مین نہایت خوبی سے آیا ہے ١٢

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نایاب کتابین

مقدمہ شعر و شاعری دیوان حالی کا مقدمہ صرف اس خیال سے علحدہ چھاپا گیا ہی کہ دیوان حالی پڑھنے والے طلبا پر کتاب کی خریداری کا بار نہو۔ اس مین شاعری پر فلسفیانہ و محققانہ بحث کرنیکے ساتھ ساتھ اُردو شاعری کے جملہ صنافت پر نہایت لطیف تبصرہ کیا گیا اور اگرچہ مذہب شاعری کے بعض معتقدات عام سے اختلاف کرنیکی بنا پر حضرت حالی کو مورد طعن بننا پڑا تاہم بجرئت تردید کہا جا سکتا ہی کہ نکتہ چینون کے نزدیک بھی مولانا حالی کا مقدمہ دیوان بے نظیر اور قابل قدر معلومات کا گنجینہ ہی قیمت عہ و عمر

عود ہندی مرزا غالب مرحوم کے اُردو خطوط کا مجموعہ جسے لوگ بجا طور پر موجودہ انداز تحریر کی بنا اول کہتے ہین۔ اُردو نثر مین جو پاکیزگی صفائی اور سلاست آج نظر آتی ہی یہ بہت کچھ اُسی کا فیض ہی اسکے حصہ اول مین صاف اور سادہ عبارت کے خطوط ہین جنکے مطالعہ سے صحیح اور فصیح اُردو لکھنے مین مدد ملتی ہی اور حصہ دوم مین وہ رقعات ہین جنمین مرزا نے لوگون کو اصلاحین یا شاعری کے متعلق کچھ ہدایات لکھی ہین۔ بعض کتابون کے دیباچے اور تقریظین بھی اسمین شامل ہین قیمت عہ

شرح دیوان غالب (از مولانا سید علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوی الملقب بہ نواب حیدر یار جنگ) دیوان غالب کی متعدد شرحین لکھی گئی ہین مگر سب سے مبسوط و مفصل شرح یہی ہی اور چونکہ شارح خود ایک باکمال شاعر اور فاضل اجل ہین اسوجہ سے یہ شرح خاص طور پر قابل مطالعہ ہی قیمت عہ

سرمایۂ زبان اُردو حضرت جلال لکھنوی مرحوم کا دم لکھنؤ کے آخری دور مین غنیمت تھا اُنکے شاعرانہ کمالات مستغنی عن التعریف ہین۔ یہ انھین کا لغت ہی جسے ارباب ذوق نے نہایت درجہ پسند کیا اور انھین کی ضرورت پر نظر کر کے اب دوبارہ چھاپا ہی۔ اس لغت مین اُردو کے عام محاورات کا مفہوم اور محل استعمال سمجھانے کی خاص کوشش کی گئی ہی قیمت عہ

آفتاب داغ نواب مرزا داغ دہلوی مرحوم کا لاجواب دیوان مدت کے بعد دوبارہ زیور طبع سے آراستہ ہوا ہی ابتدا مین حضرت داغ کے مختصر حالات زندگی دیے گئے ہین قیمت عمر